ماہنامہ

# نفاذ اردو

فروری ۲۰۲۴

پچیس فروری 1948 کو قائد اعظمؒ
نے اردو کو پاکستان کی قومی اور
سرکاری زبان کا درجہ دلوایا۔

## پاکستان کی قومی زبان
## اردو، اردو اور صرف
## اردو ہوگی۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ



تحریک نفاذ اردو پاکستان۔ Fb/TNUPAK

03495059760
tnupak@gmail.com

تحریک نفاذ اردو پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ **نفاذِ اردو** (ڈیجیٹل)            فروری، 2024

زیر نگرانی
فرخندہ شمیم

مدیر اعلی
عطاء الرحمن چوہان

مدیرہ
عالیہ بٹ

مدیر منتظم
کائنات رشد

مدیران معاون
ثروت اقبال، ماہ جبیں قیصر
تسنیم کوثر، محمد اسلم نشتر

## فہرست مضامین



تحریک نفاذ اردو پاکستان، ایس، 200 ملک آباد شاپنگ مال، مری روڈ، راولپنڈی

Email:tnupak@gmail.com, Fb/ TNUPAK, Whats app: 03495059760




جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے خصوصاً نماز کی پابندی کی اور زکواۃ ادا کی تو ان کے رب کے پاس اس کا ثواب محفوظ ہے اور نہ ان کو کسی قسم کا خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔(البقرہ)

فرمان رسول ﷺ:

جو شخص پانچوں نمازوں کی اس طرح پابندی کرے کہ وضو اور اوقات کا اہتمام کرے، رکوع اور سجدہ اچھی طرح کرے اور اس طرح نماز پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کا اپنے ذمے حق سمجھے تو اس آدمی کو جہنم کی آگ پر حرام کر دیا جائے گا۔(مسند احمد)

اداریہ

# نفاذِ قومی زبان

قیام پاکستان سے آج تک ملک تختہ مشق بنا ہوا ہے۔ ہر چند سال بعد حکمران کان پکڑ کر باہر نکال دیئے جاتے ہیں اور کچھ نئے اداکاروں کو مسیحا بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد تسلسل سے جاری ہے۔ صرف فوجی آمریت کے دوران نظام کچھ عرصہ مستحکم رہتا ہے تاہم قومی یکجہتی کو اس دوران شدید دھچکا لگتا رہتا ہے۔ مقتدرہ کے پے در پے حملوں سے تنگ آئی قوم نے 1973 کے دستور کی منظوری کے بعد سکھ کا سانس لیا تھا کہ شاید اب کوئی طالع آزماء قوم کے مقدر سے نہ کھیلے لیکن یہ سلسلہ نہ رک سکا۔ جنرل ضیاء الحق، جنرل پرویز مشرف کی براہ راست حکمرانی کے بعد جنرل باجوہ نے پس پردہ حکمرانی کا نیا طریقہ ایجاد کیا۔ چھہتر سالہ ناکامیوں کے اسباب ڈھونڈنے کی کوشش آج تک کسی نے اس لیے نہیں کی کہ جب فہرست مرتب ہو گی تو شاید وہ قابل برداشت نہ ہو۔ ملک دولخت ہو گیا اور اب بقیہ پاکستان بھی مختلف ریشہ دوانیوں کا شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی پوشیدہ قوت سے اس ملک کی حفاظت فرما رہا ہے ورنہ ہم نے عوام کو بار بار بلڈوز کرنے میں کوئی کمی روا نہیں رکھی۔

قومی زبان کو جس بے دردی سے پیچھے دھکیلا گیا ہے، اس کی مثال پوری دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ ملک جس طرح غیر ملکی نظام سے چلایا جا رہا ہے، اسی طرح ملک کو غیر ملکی زبان میں چلایا جا رہا ہے۔ زبان بھی ایسی کہ جسے 95 فیصد پاکستانی نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ بول سکتے ہیں۔ قائد اعظم کے فرامین، 25 فروری 1948 کی دستور ساز اسمبلی کی منظوری، 1956 اور 1964 کے دساتیر کے تقاضوں اور سب سے بڑھ کر دستور پاکستان مجریہ 1973 شق 251 میں بہت واضح ہدایات اور ساتھ ہی سپریم کورٹ کے فیصلے (8 ستمبر 2015) کے باوجود منہ زور مقتدرہ / اشرافیہ کسی قانون، کسی دستور، کسی فیصلے اور کسی عوامی منشاء کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔

قوم اور قومی زبان کے ساتھ جو کھلواڑ مقتدر طبقے نے آج تک روا رکھا ہے، اس روش کو بدلنے کے لیے پوری قوم کو منظم اور جارحانہ پالیسی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ عدالتوں کے جج، سرکاری ملازمین اور منتخب قیادت جس دستور کی پابندی کا حلف اٹھاتی ہے، اس کی شق 251 کا تقاضا ہے کہ بلا تاخیر قومی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دے کر جملہ امور مملکت قومی زبان میں چلائے جائیں، اس میں نہ کسی کے اختیار کا کوئی جواز ہے اور نہ کسی کی پسند اور ناپسند کا۔

یہ قوم کی پہچان، قوم کی تعلیمی، اقتصادی، سیاسی اور سماجی ترقی کے لیے لازم ہے کہ امور مملکت قومی زبان میں چلائے جائیں، اس پر مزید کسی تاخیر کو برداشت کرنا قوم کا شیرازہ بکھیرنے کے مترادف ہے۔ جس کے ہم متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے مزید تاخیر کیے بغیر ملک کو دستور کے مطابق قومی زبان میں چلانے کا فیصلہ کیا جائے۔



مدیر اعلیٰ: عطاء الرحمن چوہان

# قومی زبان کے نفاذ میں حائل رکاوٹیں اور نفوذ کی راہیں!

عطاء الرحمن چوہان

**ما ارسلنامن رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم**

ہم جو بھی رسول بھیجتے رہے اسی کی قوم کی زبان میں بھیجتے رہے تا کہ ساری باتیں ان پر واضح کر دیا کرے۔ القرآن (سورہ ابراہیم۔۴)

یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ اپنا پیغام اور پیغمبر جس قوم کی طرف بھیجتے ہیں، وہ ان کی زبان میں بھیجتے ہیں تا کہ ساری باتیں ان پر واضح ہو جائیں۔ یہی دراصل زبانوں کا معاملہ ہے کہ جس قوم سے معاملہ کیا جائے اس کی زبان میں کیا جائے ورنہ وہ ان معاملات کی درست طور پر سمجھ کر اجتماعی امور میں شریک ہو سکیں۔

اردو کو قومی زبان قرار دیتے وقت مشرقی پاکستان سے اس کی مخالفت میں آوازیں اٹھنے لگیں تو قائد اعظم نے اپنی شدید علالت کے باوجود فوری طور پر ڈھاکہ جانے کا پروگرام بنایا، تب ڈھاکہ جانے کے لیے جہاز کو بھارت سے ایندھن لینا پڑتا تھا، آپ نے جہاز میں اضافہ ایندھن سٹور کرنے کی ہدایت کی اور ڈاکٹروں کی ہدایات کو نظر انداز کرتے ہوئے ڈھاکہ روانہ ہو گئے۔ آپ نے چٹاگانگ یونیورسٹی میں سالانہ تقسیم انعامات کی تقریب میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

**میں آپ کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہو گی اور صرف اردو۔۔ اور اردو کے سوا اور کوئی نہیں۔ جو آپ کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ پاکستان کا دشمن ہے۔ ایک مشترکہ سرکاری زبان کے بغیر کوئی قوم باہم متحد نہیں ہو سکتی اور نہ کام کر سکتی ہے اگر پاکستان کے مختلف حصوں کو باہم متحد ہو کر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونا ہے تو اس کی سرکاری زبان ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ میری ذاتی رائے میں ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ اردو ہے۔ اردو وہ زبان ہے جسے برا عظم کے کروڑوں مسلمانوں نے پرورش کیا ہے، اسے پاکستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ زبان ہے جو دوسری صوبائی اور علاقائی زبانوں سے کہیں زیادہ اسلامی ثقافت اور اسلامی روایات کے بہترین سرمائے پر مشتمل ہے اور دوسرے اسلامی ملکوں کی زبانوں سے زیادہ قریب تر ہے۔ پاکستان کی سرکاری زبان جو مملکت کے مختلف صوبوں کے درمیان افہام تفہیم کا ذریعہ ہو، صرف ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ اردو ہے، اردو کے سوا اور کوئی نہیں۔** قائد اعظم کا ڈھاکہ یونیورسٹی میں جلسہ عام سے خطاب (۲۴ مارچ ۱۹۴۸)

## آئین پاکستان ۱۹۷۳ء میں اردو کے نفاذ کا دستوری عہد

- دفعہ ۲۵۱(I) پاکستان کی قومی زبان اردو ہو گی اور یوم آغاز سے 15 سال کے اندر اندر اس کے بطور سرکاری زبان اور دیگر اغراض سے استعمال کئے جانے کے انتظامات کئے جائیں گے۔
- دفعہ ۲۵۱(I) کے تابع انگریزی کو سرکاری اغراض سے استعمال کیا جائے گا۔ جب تک اسے اردو سے تبدیل کئے جانے کے انتظام نہیں کر لئے جاتے۔
- دفعہ ۲۵۱(۳) قومی زبان کی حیثیت کو متاثر کئے بغیر کوئی صوبائی اسمبلی قانون کے ذریعے قومی زبان کے علاوہ کسی صوبائی زبان کی تعلیم، ترقی اور اس کے استعمال کیلئے اقدامات کر سکے گی۔

## قومی زبان کا نفاذ تاریخ کے آئینہ میں

• اگر تاریخی پس منظر کو سامنے رکھیں تو ہمیں مغلیہ حکومت میں فارسی کے ساتھ ساتھ اُردو کو سرکاری زبان کے طور پر متعارف کرانے کی کوششوں کا سراغ ملتا ہے۔ شاہ جہاں کے دور میں اُردو فرامین بھی قلم بند ہوئے۔ مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے بھی کچھ سرکاری امور اُردو میں انجام دیئے۔

• سلطنت دکن میں اُردو زبان نے سرکاری حیثیت اختیار کی۔ اکبر سے ۲۰ سال پہلے ابراہیم عادل شاہ جو دکن میں حاکم تھے، انہوں نے مال (ریونیو) اور مالیاتی اُمور اُردو میں ہی نمٹائے۔

• ۱۸۳۳ء میں جے پور کشن گڑھ ریاست کے حاکم راجہ رام سنگھ نے اُردو کو سرکاری درجہ دیا جبکہ ریاست رام پور میں فارسی کی بجائے اُردو کا رواج ہوا۔ ۱۸۶۵ء میں ریاست ٹونک کے نواب محمد علی نے اُردو کو سرکاری زبان بنانے کا فیصلہ کیا۔

• جب انگریزوں نے پنجاب میں قدم رکھا تو پنجاب کے Board of Administration کے سیکرٹری جی جے کرسچن نے یہ تجویز پیش کی کہ اُردو پنجاب میں دفتری وعدالتی زبان ہونی چاہیے چنانچہ یہ اُن کی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ ۱۸۵۱ء میں ڈیرہ غازی خان میں فارسی کی بجائے اُردو سرکاری زبان نافذ ہوئی۔

• ضلع ہزارہ میں بھی اُردو کو سرکاری زبان کا درجہ ملا۔ ۱۸۵۴ء میں لیہ ڈویژن (Division) تھا وہاں بھی اسی سال اُردو بطور دفتری وعدالتی زبان نافذ ہوئی۔ ۱۸۵۴ء میں پشاور اور کوہاٹ میں بھی اُردو کو سرکاری زبان کا درجہ ملا۔

• قائداعظم محمد علی جناحؒ نے فرمایا: قیام پاکستان کے بعد ''اُردو ہی پاکستان کی قومی اور سرکاری زبان ہو گی۔'' قائداعظم کے اس فرمان سے اُردو کی بطور قومی، سرکاری اور رابطے کی زبان کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

• پاکستان بننے کے بعد حکومت پنجاب کی ان کاوشوں کا ذکر کیا جائے گا جو اُردو کے نفاذ کے سلسلے میں کی گئیں، ۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کو مجلس زبان دفتری پنجاب (لاہور) کا قیام عمل میں آیا۔ چنانچہ ایک کمیٹی بنی جس کے چیئرمین جسٹس ایس اے رحمن تھے۔

• اس کمیٹی کا مقصد یہ تھا کہ حکومت کو یہ تجاویز بھجوائی جائیں کہ اُردو کو بطور سرکاری زبان نافذ کیا جائے۔ جولائی ۱۹۵۰ء میں مجلس مترجمین (Board of Translators) کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے میر مجلس پروفیسر محمود احمد خان تھے جو عثمانیہ یونیورسٹی کے ریٹائرڈ رجسٹرار تھے۔

• ستمبر ۱۹۵۰ء میں علیحدہ مجلس استناد قائم کی گئی۔ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، صوفی غلام مصطفی تبسم، سید وقار عظیم، نذیر نیازی وغیرہ اس کے رُکن تھے۔ ۱۰ اگست ۱۹۵۰ء کو حکومت پنجاب نے ایک گشتی مراسلہ شائع کیا کہ ضلعی سطح کے دفاتر میں انگریزی کی بجائے اُردو نافذ کی جائے۔

• حکومت پنجاب نے فروری ۱۹۵۱ء میں یہ احکام جاری کیے کہ آئندہ تمام سرکاری اُردو مطبوعات حتی الامکان نسخ ٹائپ میں طبع کی جائیں۔ ۲۳ نومبر ۱۹۶۵ء کو حکومت نے احکام جاری کیے کہ تربیتی اداروں میں زیر تربیت افسروں کی دفتری اُردو سے آگاہی کے لیے اُردو دفتری اصطلاحات و محاورات شامل نصاب کی جائیں۔

• مملکت کے پہلے ۱۹۵۶ء کے آئین میں نفاذ قومی زبان کے لئے پندرہ سال کی مدت مقرر کی گئی اور اس کے لئے مرکزی اردو بورڈ قائم کیا گیا۔

• ملک کے دوسرے آئین ۱۹۶۲ء میں بھی نفاذ قومی زبان کے لئے پندرہ برس کی مدت مقرر کی گئی۔

• ۱۹۷۰ء کی تعلیمی پالیسی میں اردو کو ذریعہ ٔ تعلیم قرار دیا گیا۔

• ۱۹۷۳ء میں ملک کا تیسرا متفقہ آئین منظور ہوا تو اس میں بھی دستور ساز اسمبلی نے شق ۱۵۲(۱) کے ذریعے اردو کو سرکاری زبان قرار دیتے ہوئے ۱۵ برس کے اندر اس کو بطور سرکاری زبان نافذ کرنے کا عہد کیا۔

• مئی ۱۹۷۴ء کو بلوچستان کے گورنر غوث بر نجو نے اردو کو صوبہ بلوچستان کی دفتری زبان بنانے کا اعلان کیا۔

- چند روز بعد ارباب سکندر خان خلیل نے صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختونخوا) میں اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ ملک معراج خالد نے پنجاب کی دفتری زبان اردو کو قرار دے دیا۔
- جنرل ضیاء الحق کے دور میں ۱۹۷۹ء میں مقتدرہ قومی زبان کا قیام عمل میں لایا گیا۔
- مقتدرہ قومی زبان نے ۱۹۸۱ء میں دفاتر، عدالتوں اور تعلیمی شعبہ میں نفاذ اردو کی سفارشات پیش کیں۔
- ۱۹۸۳ء میں اس وقت کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی ہدایت پر ایک سرکلر جاری ہوا، جس میں سرکاری دفتروں میں ملکی معاملات میں اردو کو استعمال کرنے کی ہدایت کی گئی۔
- کابینہ ڈویژن نے ۱۹۸۴ء میں تمام سرکاری اداروں کو سرکاری خط کتابت اور روزمرہ دفتری امور کی اردو زبان میں انجام دینے کی ہدایات جاری کر دیں۔
- وفاقی وزراء اور ہائر ایجوکیشن کمیشن کے چیئرمین عطاء الرحمن سمیت سات افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی لیکن ان کمیٹیوں کی سفارشات اور رپورٹس کے باوجود اردو کو سرکاری زبان کا درجہ نہ مل سکا۔
- سید یوسف رضا گیلانی نے بھی قومی اسمبلی اور سینیٹ کے تین تین ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی، یہاں بھی بات کاغذی کارروائی تک محدود رہی۔
- آخر کار ۸ ستمبر ۲۰۱۵ء کو عدالت عظمیٰ پاکستان نے نفاذ قومی زبان کا تاریخی فیصلہ صادر کر دیا۔ اس فیصلے کے خلاف کوئی اپیل دائر نہیں کی گئی اور یوں یہ فیصلہ حتمی قرار پا گیا۔

## نفاذ قومی زبان سے متعلق عدالت عظمیٰ پاکستان کے احکامات:

آرٹیکل ۵ اور آرٹیکل ۲۵۱ میں بیان کئے گئے احکامات کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اور ان کے نفاذ میں یکے بعد دیگرے کئی حکومتوں کی بے عملی اور ناکامی کو سامنے رکھتے ہوئے، ہمارے سامنے سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں کہ ہم مندرجہ ذیل ہدایات اور حکم جاری کریں:

وفاقی اور صوبائی حکومتیں آرٹیکل 251 کے احکامات کو بلا تاخیر اور پوری طاقت سے فوری نافذ کریں۔

اس آرٹیکل کے نفاذ کے اقدامات کے لیے جو معیاد مذکورہ بالا مراسلہ (مورخہ ۶ جولائی ۲۰۱۵) میں، خود حکومت کی جانب سے مقرر کی گئی ہے، اس کی ہر صورت پابندی کی جائے۔

قومی زبان کے رسم الخط میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے وفاقی اور صوبائی حکومتیں باہمی ہم آہنگی پیدا کریں۔

تین ماہ کے اندر اندر وفاقی اور صوبائی قوانین کا قومی زبان میں ترجمہ کر لیا جائے۔

بغیر کسی غیر ضروری تاخیر کے نگرانی کرنے اور باہمی ربط قائم کرنے والے ادارے آرٹیکل ۲۵۱ کو نافذ کریں اور تمام متعلقہ اداروں میں اس آرٹیکل کا نفاذ یقینی بنائیں۔

وفاقی سطح پر مقابلہ کے امتحانات میں قومی زبان کے استعمال کے بارے میں حکومتی اداروں کی مندرجہ بالا سفارشات پر بلا تاخیر عمل کیا جائے۔

ان عدالتی فیصلوں کا، جو عوامی مفاد سے تعلق رکھتے ہوں یا جو آرٹیکل ۱۸۹ کے تحت اصول قانون کی وضاحت کرتے ہوں، لازماً اردو میں ترجمہ کروایا جائے۔

عدالتی مقدمات میں سرکاری محکمے اپنے جوابات حتیٰ الامکان اردو میں پیش کریں تاکہ شہری اس قابل ہو سکیں کہ وہ موثر طریقے سے اپنے قانونی حقوق نافذ کروا سکیں۔

اس فیصلے کے اجراء کے بعد اگر کوئی سرکاری ادارہ یا اہلکار آرٹیکل ۲۵۱ کے احکامات کی خلاف ورزی جاری رکھے گا تو جس شہری کو بھی اس خلاف ورزی کے نتیجے میں نقصان یا ضرر پہنچے گا، اسے قانونی چارہ جوئی کا حق حاصل ہو گا۔

**عدالت عظمیٰ کے فیصلے میں اس امر کی وضاحت کی گئی کہ:**

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ یورپ میں ایک عرصے تک کلیسائی عدالتوں کا راج رہا جہاں شرع و قانون کا بیان صرف لاطینی زبان میں ہوتا تھا، جو راہبوں اور شہزادوں کے سوا کسی کی زبان نہیں تھی۔ یہاں برِصغیر پاک و ہند میں آریائی عہد میں حکمران طبقے نے قانون کو سنسکرت کے حصار میں محدود کر دیا تا کہ برہمنوں ،شاستریوں اور پنڈتوں کے سوا کسی کے پلے کچھ نہ پڑے، بعد میں درباری اور عدالتی زبان تھی لیکن عوام کی زبان نہ تھی۔ انگریزوں کے غلبے کے بعد لارڈ میکالے کی تہذیب دشمن سوچ کے زیرِ سایہ ہماری مقامی اور قومی زبانوں کی تحقیر کا ایک نیا باب شروع ہوا جو بد قسمتی سے آج تک جاری ہے اور جس کے نتیجہ میں ایک طبقاتی تفریق نے جنم لیا ہے جس نے ایک قلیل لیکن قومی اور غالب اقلیت (جو انگریزی جانتی ہے اور عنانِ حکومت سنبھالے ہوئے ہے) اور عوام الناس (جو انگریزی نہیں جانتے) کے درمیان ایسی خلیج پیدا کر دی ہے جو کسی بھی طور قومی یک جہتی کے لیے ساز گار نہیں۔ آئینِ پاکستان البتہ ہماری عوام کے سیاسی اور تہذیبی شعور کا منہ بولتا ثبوت ہے، جنہوں نے آرٹیکل 251 اور آرٹیکل 28 میں محکومانہ سوچ کو خیر باد کہ دیا ہے اور حکمرانوں کو بھی تحکمانہ رسم ورواج ترک کرنے اور سنتِ خادمانہ اپنانے کا عندیہ دیا ہے۔ آئین کے تشریح سے متعلق فیصلے اردو میں سنانا یا کم از کم ان کے تراجم اردو میں کرانا اسی سلسلے کی ایک چھوٹی سی کڑی ہے۔۔ یہاں اس امر کا اعادہ نہایت ضروری ہے کہ یہ ہماری پسند ناپسند کا معاملہ نہیں اور نہ ہی ہماری تن آسانی کا بلکہ یہ آئینی حکم ہے کہ اردو کو بطور سرکاری زبان اور برائے دیگر امور یقینی بنایا جائے اور صوبائی زبانوں کی ترویج کی جائے

، یہاں ہم آئین کے آرٹیکل 5 کا حوالہ دینا چاہیں گے جس کے تحت آئین کی پابندی ہر شہری کا لازمی وبلا استثناء فریضہ ہے۔ اس بات کو بھی یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ ریاست کے تمام اعلیٰ عمال آئین کی بقا اور تحفظ کا حلف اٹھاتے ہیں لہٰذا وہ اپنی اس آئینی ذمہ داری سے صرفِ نظر کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ ہم کئی مواقع پر اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ آئین کی حکمرانی تبھی قائم ہو سکتی ہے جب اس کی ابتدا صاحب اقتدار طبقے سے ہو اگر حکومت خود آئینی احکامات کی پابندی نہیں کرتی تو وہ قانونی طور پر عوام کو بھی آئین کی پابندی پر مجبور کرنے کی مجاز نہیں سمجھی جا سکتی۔

**رکاوٹیں۔۔۔۔غلامانہ ذہنیت:** خطے میں دو سو سالہ فرنگی تسلط نے مسلمانان برصغیر کو اس درجے کا غلام بنا رکھا ہے کہ وہ انگریزی میں ہی اپنی ترقی، بقاء اور کامیابی تصور کرتے ہیں حالانکہ برطانیہ، امریکہ، اسٹریلیا اور کینیڈا کے علاوہ دنیا کے کسی ملک میں انگریزی سرکاری زبان کے طور پر نافذ نہیں۔ پاکستان دنیا کی واحد ریاست ہے جو اپنی قومی زبان کے بجائے ایک ایسے دشمن کی زبان کو ترقی کا ذریعہ سمجھتی ہے، جس کو ہمارے بزرگوں نے طویل جدوجہد اور قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا۔

**حکمرانوں کی غیر سنجیدگی:** تاریخی، دستور اور عدالتی مراحل سے گزر کر ہم ایک ایسے مقام پر کھڑے ہیں کہ حکمران، نوکر شاہی، سیاستدان اور اشرافیہ قومی زبان کو سرکاری اور دفتری زبان کے طور پر اختیار کرنے پر آمادہ نہیں حالانکہ دستور شکنی اور عدالت عظمٰی کے فیصلوں پر عمل درآمد سے انکار پر توہین عدالت کی سزائیں بھی موجود ہیں۔

صوبائی، قومی اسمبلی اور سینٹ میں سینٹر سراج الحق اور سینیٹر مشتاق احمد خان کے علاوہ توجہ دلانے والا بھی کوئی نہیں۔

عدالت عظمٰی سمیت کسی ذیلی عدالیہ نے ۸ ستمبر ۲۰۱۵ کے فیصلے پر عمل شروع نہیں کیا حالانکہ کئی ایک مقدمات نفاذ کے لیے زیر سماعت بھی ہیں اور خود میں نے کئی بار چیف جسٹس عدالت عظمٰی، جسٹس صاحبان اور عدالت ہائے عالیہ جے چیف جسٹس صاحبان کو خطوط بھی لکھے ہیں۔

**عدالتی رویہ:** قومی زبان کے نفاذ کے بارے میں عدلیہ کا کردار جانچنے کے لیے یہی کافی ہے کہ ۲۰۰۲ میں دائر درخواست کا فیصلہ ۲۰۱۵ میں ہوا، وہ بھی خوش قسمتی سے جسٹس جواد ایس خواجہ کی

سربراہی میں پینچ تشکیل پا گیا تھا۔ اس وقت عدالت عظمیٰ پاکستان کے علاوہ اسلام آباد ہائی کورٹ، بلوچستان ہائی کورٹ اور لاہور ہائی کورٹ میں عدالتی فیصلے پر عمل درآمد کروانے کی درخواستیں دائر ہیں لیکن تمام عدالتیں مقدمات کی سماعت کے بجائے تاریخیں دے کر مقدمات کو موخر کر رہی ہیں۔

**ذرائع ابلاغ کی بے حسی:** ذرائع ابلاغ، نشریاتی وطباعتی ادارے، کالم نگار، صحافی جو قومی زبان کا کھاتے ہیں، قومی زبان ہی ان کی پہچان ہے لیکن نفاذ قومی زبان پر ایک لفظ لکھنے اور بولنے کے متحمل نہیں۔ اس کی اصل وجہ ذرائع ابلاغ پر بیرونی سرمایہ کاری ہے۔ نجی ٹی وی چینل انگریزی اور ہندی کی امیزیش سے اردو کا حلیہ بگاڑنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔

**اہل ادب کی بے اعتنائی:** شعراء ادیب اور اساتذہ بالخصوص اردو کے اساتذہ کی سرد مہری اور نفاذ کی سرگرمیوں سے لاتعلقی قابل توجہ ہے۔

## انگریزی میڈیم تعلیمی وطباعتی اداروں کے مفادات

انگریزی میڈیم تعلیمی اور اشاعتی ادارے پاکستان سے سالانہ کھربوں ڈالر سمیٹ رہے ہیں، قومی زبان کے نفاذ سے انہیں اپنے مالی مفادات پر زد پڑنے کا خطرہ ہے۔ وہ پوری قوت سے نفاذ اردو کی راہ میں حائل ہیں۔ حال ہی میں یکساں نصاب تعلیم کے خلاف بھاری سرمایہ کاری کے ذریعے ذرائع ابلاغ میں اشتہارات اور مضامین کی اشاعت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ خطرہ ہے کہ وہ عدالت سے بھی رجوع کریں گے اور حکمرانوں اور نوکرشاہی کو خریدنے کی بھی کوشش کریں گے۔

**سیاسی جماعتوں کی خاموشی:** قومی سیاسی جماعتیں اپنے منشور میں تو قومی زبان کے نفاذ کا اعلان کرتی ہیں لیکن ایوان اقتدار میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف سب ہی قومی زبان کے بارے میں خاموشی اختیار رکھتے ہیں حالانکہ قومی امور پر عوام کو متحرک کرنا سیاسی جماعتوں کا ہی فرض ہے۔ وہ اسے کوئی قومی مسئلہ ہی نہیں سمجھتیں اور "نان ایشو" سمجھ کر خاموش رہتی ہیں۔ جس کی وجہ سے عوام میں بھی نفاذ قومی زبان کو بھی کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں۔

**قومی اور کثیر الملکی تجارتی کمپنیوں کی سرمایہ کاری:**

پاکستان میں کام کرنے والی تمام قومی اور کثیر الملکی تجارتی کمپنیاں اپنی مصنوعات کی تشہیر کے لیے انگریزی زبان کا سہارا لیتی ہیں۔ وہ زبان کے ساتھ ساتھ بے حیائی اور بے راہ روی کو بھی فروغ دیتی ہیں۔

**قومی زبان کو متنازعہ بنانے کی سازشیں:** ہر دور میں قومی زبان کو متنازعہ بنانے کی سازشیں جاری رہی ہیں۔ حال ہی میں ایک ہندو رکن اسمبلی نے ملک کی چھ زبانوں کو قومی زبان قرار دینے کی دستور ترمیم پیش کی تھی، جو قومی اسمبلی کی مجلس قائمہ نے کثرت رائے سے مسترد کر دی ہے۔ گزشتہ دور میں مسلم لیگ نواز کی ماروی میمن نے سینٹ میں چھ زبانوں کو قومی زبانیں قرار دینے کی قرارداد پیش کی تھی، وہ بھی مجلس قائمہ نے مسترد کر دی تھی۔ پاکستان دشمن لابی ہر موقعہ پر اس طرح کی سازشیں کرتی رہی ہیں۔ ۱۹۴۸ میں مشرقی پاکستان میں اردو کو قومی زبان قرار دینے پر احتجاج ہوا تو قائداعظمؒ شدید علالت کے باوجود ڈھاکہ گئے اور آپ نے پوری جرات سے اردو کا مقدمہ پیش کیا۔ آج جو قول قائد ہر جگہ پیش کیا جارہا ہے وہ چٹاگنگ یونیورسٹی کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے قائد نے فرمایا تھا۔ آج کے حکمرانوں کے طرز عمل کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے ہے سپریم کورٹ کے فیصلے کے باوجود وہ قومی زبان کے نفاذ پر توجہ نہیں دے رہے۔

**قومی زبان کے نفاذ سے انکار ممکن نہیں:** دستوری تقاضے، عدالت عظمیٰ کے دوٹوک فیصلے اور قائداعظمؒ کے فرامین کی موجودگی میں قومی زبان اردو کے نفاذ کو حیلوں بہانوں سے موخر تو کیا جاسکتا ہے، اس سے انکار ممکن نہیں۔ آج نہیں تو کل حکمران قومی زبان کے نفاذ پر مجبور ہونگے۔ اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں

کیونکہ دستور سے نفاذ اردو کو خارج کرنے کی غلطی کوئی نہیں کر سکتا۔

**عالمی سطح پر اردو کی پذیرائی:** امریکہ سمیت دنیا کے کئی ممالک نے اپنی سرکاری ویب سائٹ کو دیگر عالمی زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی تیار کر رکھا ہے۔ یہ اردو کی عالمی سطح پر پذیرائی ہے۔ اسی طرح دنیا کے اکثر ذرائع ابلاغ کی اردو نشریاتی ہوتی ہیں، جن میں بی بی سی، وائس آف امریکہ، چائنہ نیوز، وائس آف جرمنی، ایران، سعودی عرب، کینیڈا، سمیت دنیا کی تمام بڑے نشریاتی اداروں کی اردو سروس موجود ہے۔

گوگل، مائیکروسافٹ اور ان سے ملحقہ تمام فیس بک، ٹیوٹر، انسٹاگرام، واٹس ایپ سب میں اردو کی سہولت موجود ہے۔ اردو کی عالمی سطح پر پذیرائی اس کی دنیا میں بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد کی وجہ سے ہے۔ آج کی کارپوریٹ دنیا اپنے کاروباری مقاصد کے لیے عالمی سروے کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ عجیب بدقسمتی ہے کہ جس زبان کو پوری دنیا میں پذیرائی حاصل ہے وہ اپنے ملک میں ایک مظلوم زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔

## نفوذ کی راہیں

### انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پر قومی زبان کو فروغ دیا جائے

آج سارے اعداد و شمار انٹرنیٹ پر ہی مرتب ہوتے ہیں۔ گوگل، فیس بک اور دیگر انٹرنیٹ ذرائع پر جس قدر اردو میں سرچنگ ہو گی اتنا ہی اردو کو فروغ ملے گا۔ اس سرچنگ / تلاش سے عالمی ادارے کسی زبان کی ضرورت اور استعمال کے اعداد و شمار جمع کرتے ہیں۔

### اپنے کمپیوٹر اور اسمارٹ فون میں اردو نصب کریں

اردو کے آن لائن فروغ کے لیے سب سے پہلا قدم اپنے ذاتی کمپیوٹر یا اسمارٹ فون میں اردو کی بورڈ کی انسٹالیشن ہے تا کہ آپ کسی بھی جگہ اردو ٹائپ کرنے کے قابل ہو سکیں اگر آپ ونڈوز آپریٹنگ سسٹم استعمال کر رہے ہیں تو ونڈوز ۸ اور ۱۰ میں اردو کی سپورٹ پہلے سے موجود ہوتی ہے، آپ نے صرف لینگوئج آپشنز میں جا کر اسے فعال کرنا ہوتا ہے لیکن اگر یہ آپ کو مشکل محسوس ہو تو گھبرائیے نہیں بلکہ انٹرنیٹ سے "پاک اردو انسٹالر" اتار کر نصب کر لیں۔

**انٹرنیٹ سرچ اردو میں:** اپنے موبائل / کمپیوٹر پر اردو کی بورڈ نصب کرنے کے بعد اس کا سب سے مؤثر استعمال یہ ہو گا کہ آپ گوگل، یاہو یا بنگ، کوئی بھی سرچ انجن استعمال کریں تو سرچ باکس میں رومن کے بجائے اردو زبان استعمال کریں۔ اگر آپ نے پہلے انٹرنیٹ کی تلاش میں اردو استعمال نہیں کی تو سرچ رزلٹس سے ظاہر ہونے والے مواد کی تعداد سے حیرت ضرور ہو گی۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ سرچ رزلٹس اردو میں ہونے کی وجہ سے آپ آسانی سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں اور دوسرا فائدہ براہ راست اردو کو ہو گا کیونکہ اردو میں جتنی زیادہ تلاش بڑھے گی اتنے ہی زیادہ ادارے اردو میں معلومات مہیا کرنے کی کوشش کریں گے۔

**پیغامات اور سوشل میڈیا پوسٹیں اردو میں:** آجکل اردو داں طبقہ سوشل میڈیا اور ذاتی پیغامات میں رومن اردو کا استعمال کرتا ہے، جس کے لیے کوئی باضابطہ قواعد نہ ہونے کی وجہ سے اردو زبان کا معیار مسلسل زوال پزیر ہے۔ اپنے موبائل / کمپیوٹر پر اردو میں انٹرنیٹ سرچ شروع کرنے کے بعد جیسے ہی آپ اردو ٹائپنگ میں روانی حاصل کریں، اپنی فیس بک اور ٹوئٹر پوسٹس کے ساتھ دوستوں سے پیغامات کے تبادلے میں اردو کا استعمال کریں۔

**وکی پیڈیا پر اردو لکھیں:** فرض کیا کہ آپ نے ہماری پہلی دو گزارشات مان لیں ہیں اور آپ نے انٹرنیٹ پر تلاش اردو میں شروع کر دی ہے تو پھر نتائج میں آپ کا واسطہ سب سے زیادہ اردو وکی پیڈیا سے پڑے گا۔ اس وقت اگرچہ اردو وکی پیڈیا پر ایک لاکھ سے زیادہ مضامین موجود ہیں، لیکن ان میں سے اکثریت کا معیار وکی پیڈیا پر دوسری عالمی زبانوں میں موجود مضامین کے مقابلے

میں بہت کمتر ہے۔ اس لیے آپ اپنے فارغ وقت میں یہاں پر موجود مضامین کی نوک پلک کے ساتھ ان میں موجود مواد میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ یہ آپ کے وقت کا بہترین مصرف ہو گا اور ساتھ ہی مختلف موضوعات پر آپ کی اپنی معلومات میں بھی بے پناہ اضافے کا باعث بنے گا۔

**گوگل ٹرانسلیٹ کی مدد کریں:** وکی پیڈیا پر مضامین کے بعد اردو کی ترویج کی سب سے اہم جگہ گوگل ٹرانسلیٹ ہے۔ گوگل ٹرانسلیٹ مشینی ترجمہ کرنے کی ایک ہمہ گیر ویب سائٹ ہے جہاں آپ دنیا کی تمام بڑی زبانوں کا ایک سے دوسری میں ترجمہ کر سکتے ہیں لیکن اس مشینی ترجمے کے لیے گوگل کو پہلے سے ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمے کی گئی فائلیں درکار ہوتی ہیں۔ یہ ترجمہ شدہ فائلیں جتنی زیادہ ہوں گی اور ترجمے کا معیار جتنا اچھا ہو گا، ان دو زبانوں کے لیے گوگل ٹرانسلیٹ اتنا ہی بہتر ترجمہ کر سکے گا۔ اس لیے اگر آپ اردو کے ساتھ کسی اور زبان مثلاً انگریزی، فارسی، عربی یا ہندی پر عبور رکھتے ہیں تو گلو گل ٹرانسلیٹ پر جایئے اور گوگل ٹرانسلیٹ کمیونٹی کا حصہ بن کر چھوٹے چھوٹے جملے ترجمہ کر کے حسبِ توفیق اردو کی ترویج میں اپنا حصہ ڈالیے۔

**اپنا اردو بلاگ لکھیں:** بلاگ ایک آن لائن ذاتی ڈائری کی طرح ہے جس میں آپ اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق کسی بھی موضوع پر لکھ سکتے ہیں۔ بلاگ لکھنے کے لیے آپ کو بہت سی مفت ویب سائٹس مل جائیں گی جن میں سب سے مشہور بلاگر ڈاٹ کام اور ورڈپریس ڈاٹ کام ہیں، جن میں اردو کی مکمل سپورٹ موجود ہے۔ اس کے علاوہ اگر آپ چاہیں تو حالات حاضرہ یا پاکستانی معاشرے کے بارے میں آن لائن اردو نیوز ویب سائٹس پر بھی بلاگ لکھ سکتے ہیں۔

**عوامی سطح پر بیداری کی مہم:** پرنٹ، الیکٹرانک، سوشل میڈیا اور براہ راست رابطے کے ذریعے عوام کو قومی زبان کے نفاذ کی اہمیت سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ آج عام پاکستان اس غلامانہ سوچ کا شکار ہے کہ ترقی کا راستہ انگریزی زبان کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔ جب تک عوام کو قومی زبان کی اہمیت سے آگاہ نہیں کیا جاتا اور قومی زبان کے نفاذ کے لیے منظم جدوجہد کا حصہ نہیں بنیں گے۔

**عدالتی چارہ جوئی:** دستور کی بالادستی، عدالت عظمٰی کے فیصلے پر عمل درآمد اور دیگر امور میں قومی زبان کے استعمال کے لیے ہزاروں کی تعداد میں ہر سطح پر مقدمات کے اندراج سے حکومت قومی زبان کے نفاذ پر مجبور ہو سکتی ہے کیونکہ عدالت اس کے خلاف تو فیصلہ دے نہیں سکتی۔

## معاشرے کے موثر طبقات کو منظم کرنا

طلبہ، اساتذہ، محنت کش، تاجر تنظیموں اور ٹریڈ یونیوں کو نفاذ اردو کے لیے متحرک کرنے کی ضرورت ہے۔

## ادبی تنظیموں کی فعالیت

ادبی تنظیموں، شعراء، ادیبوں اور کالم نگاروں کو نفاذ اردو کے لیے متحرک کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ طبقہ پہلے سے قومی زبان کا حامی ہے، صرف نفاذ اردو کے لیے انہیں متحرک کر کے حکومت پر دباو بڑھایا جا سکتا ہے۔

**دستخطی مہم:** عوامی حمایت کو دستاویزی صورت دینے کے لیے نفاذ اردو کی قرارداد پر عوام الناس کے دستخط کروا کر عدالت عالیہ اور حکومت کو نفاذ کے لئے مجبور کیا جا سکتا ہے۔

# اردو پر قرآن کے فیوض و برکات

ڈاکٹر محمد اشرف کمال

برصغیر میں بولی جانے والی دیگر زبانوں کی نسبت اُردو ایک جدید اور لچک دار زبان ہے، جس میں دوسری زبانوں سے الفاظ و تراکیب کو اپنانے کا رویہ اور لسانی مزاج خاص اہمیت رکھتا ہے، اردو ہماری قومی زبان ہے جو کہ نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، برصغیر میں جب اردو زبان کا آغاز ہوا تو یک دم اس کی ابتدا اور ترویج و ترقی نہیں ہوئی بلکہ رفتہ رفتہ اردو زبان کا ارتقا عمل میں آیا، جہاں اردو کے آغاز و ارتقا میں تہذیبی اور لسانی عوامل نے اپنا کردار ادا کیا وہاں قرآن فہمی اور احادیث کی تعلیم و تدریس نے بھی اردو زبان کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

قرآن مجید کی وجہ سے اردو زبان کو جو شان و شوکت اور عظمت ملی اس سے کسی صورت انکار ممکن نہیں ہے، قرآن کریم کے تمام الفاظ اور تراکیب کو اردو میں رسائی ملی بلکہ یوں کہیے کہ اُردو کا پاکیزہ دل ہمیشہ فیوض و برکاتِ قرآنی کیلئے کشادہ رہا، قرآن کریم کی تعلیمات کو اردو میں ڈھالا گیا جس کی وجہ سے ہر پڑھا لکھا قرآن کو اردو میں سمجھنے اور پڑھنے کے قابل ہو گیا۔

مسلمانوں نے اردو زبان کو اس لیے بھی اہمیت دی کہ اس کا رسم الخط فارسی سے عبارت ہے جو کہ فارسی نے عربی سے لیا ہے، اردو زبان کے لیے ناگری رسم الخط کی بجائے عربی رسم الخط اسی لیے پسند کیا گیا کہ مسلمان اس میں قرآن کریم کا مطالعہ آسانی سے کر سکتے ہیں، گویا اس رسم الخط کا اردو کیلئے انتخاب بھی قرآن کریم ہی کی نسبت سے ہوا، یوں مسلمانوں نے اردو کو مذہبی تعلیمات کے لیے چنا اور قرآن کریم کے تراجم کا سلسلہ شروع ہوا. نہ صرف اردو میں قرآن مجید کے تراجم نے اسے عام لوگوں کے لیے قابل توجہ بنایا بلکہ قرآن مجید کی تفاسیر بھی اردو میں لکھی گئیں، جس سے دینی اور علمی حوالے سے اُردو زبان کو عام لوگوں کے ساتھ ساتھ مذہبی اکابرین اور علمی رویہ رکھنے والے اسکالروں نے بھی اردو زبان کی ترقی اور فروغ کے لیے راستہ ہموار کیا، یوں اردو زبان میں دینی حوالے سے ایسا قیمتی سرمایہ جمع ہو گیا جو آنے والے وقت میں اسے قومی زبان بننے میں نہایت مددگار اور ممد ثابت ہوا.

ان تراجم سے اردو کا ذخیرہ لفظی بھی بڑھا اور علمی اصطلاحات بھی عربی سے اردو میں منتقل ہوئیں، مختلف علمی تصورات اور نظریات کا بھی اضافہ ہوا اگر ہم اردو لغات کا جائزہ لیں تو ان میں الفاظ کی ایک بڑی تعداد کو تلاش کیا جا سکتا ہے جو قرآن مجید کے متن سے تعلق رکھتے ہیں، قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا ہے وہ عام زبان نہیں ہے بلکہ یہ ایک فصیح و بلیغ زبان ہے، جس کی وجہ سے ہمیشہ اس بات کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے کہ قرآن مجید کی تفہیم اور تدریس کے لیے نئے اور جدید سے جدید رویّے اختیار کیے جائیں، اس کے ایک ایک لفظ میں علم و دانائی کا وہ خزانہ چھپا ہوا ہے جس نے نہ صرف عربی زبان بلکہ ہر اس زبان کو مزید وسعت بخشی ہے جس میں اسے سمجھنے اور پڑھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اردو زبان میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہ بڑے سے بڑے لسانی رموز اور علمی انکشافات کو کھول کھول کر بیان کرنے کی پوری اہلیت و قابلیت رکھتی ہے، یہ کسی بھی زاویے اور انداز سے ایک محدود زبان نہیں ہے اگر کوئی لفظ ایسا ہو جس کی تشریح اردو کے کسی لفظ میں ممکن نہ ہو تو یہ اس لفظ کو ہی اپنانے اور قومیانے کی صلاحیت اور تجربہ رکھتی ہے، اسی لیے اردو کو عربی کے بعد دوسری زبان سمجھا جاتا ہے جس میں قرآن مجید کو سمجھنے اور اس کے مطالب و معانی کی تشریح کیلیے زیادہ لفظی ہیر پھیر یا لسانی و لفظی تبدیلی کی ضرورت پیش نہیں آتی، اس کے مصوتے اور مصمتے کسی بھی طرح عربی کے صوتی آہنگ سے دور یا متضاد نہیں ہیں، عربی زبان کے تمام فونیم کو اردو میں بکمالِ مہارت استعمال کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا رہا ہے، اردو جاننے اور بولنے والا قرآن مجید کی قرأت میں اسی قدر مہارت حاصل کر سکتا ہے جتنا کہ ایک عربی بولنے والا

اس میں مہارت دکھا سکتا ہے، یہ صرف اسی وجہ سے ممکن ہے کہ اردو کا رسم الخط، صوتی نظام اور مزاج عربی زبان اور قرآن سے بڑی حد تک مناسبت اور مطابقت رکھتا ہے، اردو زبان کے حرکات و سکنات اور اعراب کا نظام بھی وہی ہے جو کہ عربی زبان کا ہے، ان دونوں زبانوں میں کہیں بھی ٹکراؤ یا تضاد کی کیفیت نہیں پائی جاتی، اردو زبان کو اپنی ابتدا ہی سے قرآن کی ترویج اور اس کی اشاعت کی خدمات سرانجام دینے کا موقع میسر آیا اور یہ کام کسی بھی دور میں رکا نہیں اور نہ ہی کسی دور میں تعطل کا شکار ہوا کیونکہ قرآن کا علم ایک ایسا بحر ذخار ہے جس کی کوئی تحدید نہیں، یہ ایک ایسا علم و معانی اور مطالب و توضیحات کا سمندر ہے جس کا کنارا ناپید ہے، اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

**"هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ[1]"**

**"یہ قرآن لوگوں کے لیے واضح بیان ہے اور ہدایت ہے اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت ہے۔"**

اسی ہدایت اور نصیحت کو سمجھنے اور عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے جو کہ عربی نہیں جانتے، اسے اردو زبان میں ترجمہ کرنے کی ضرورت کو سمجھا گیا،

**"لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ[2]"**

**"بے شک ان کے قصوں میں سمجھداروں کیلئے عبرت ہے، یہ (قرآن) ایسا کلام نہیں جو گھڑ لیا جائے بلکہ (یہ تو) ان (آسمانی کتابوں) کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے، اس قوم کیلئے جو ایمان لے آئے۔"**

اردو میں قرآن کریم کے تراجم کے حوالے سے باقاعدہ طور پر فورٹ ولیم کالج کے تحت کاوشیں سامنے آئیں۔

اردو میں خاص طور پر حمد نگاری، نعت نگاری، سلام نگاری، مرثیہ نگاری، منقبت نگاری، مولود ناموں اور معراج ناموں کے حوالے سے اردو شعراء نے بے شمار عربی الفاظ اور لسانی روایات کو عمدگی سے اردو زبان میں منتقل کیا ہے، جس کی وجہ سے نہ صرف لفظی و معنوی حوالے سے بلکہ موضوعات کے حوالے سے بھی اردو کے سرمائے میں قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے۔

بہت سے اردو شعراء نے اسلامی شعائر کو اردو میں پیش کیا، مرزا دبیر نے حضور نبی کریم (ﷺ) کی معراج کو ایک طویل مثنوی میں بیان کیا، اس کا ایک شعر دیکھئے:

**گناہ میرے بخش اے غفور الرحیم**
**کرم کر کرم اے خدائے کریم**

ایک اور جگہ حمد باری کے بعد مرزا دبیر نعت کے اشعار میں لکھتے ہیں:

**شھد اللہ علی صدقِ رسول العربی**
**رحمہ للہ علیٰ آل واولاد نبی**
**بعد حمد احدِ پاک لکھوں نعت رسول**
**کون وہ شہر علوم احدی باب بتول**[3]

اردو میں صوفیانہ شاعری کا آغاز خواجہ میر درد کی شاعری سے ہوتا ہے، انہوں نے مجازی عشق کو چھوڑ کر عشق حقیقی کی جانب قدم بڑھایا، میر حسن کی رموز العارفین ہو یا قائم چاند پوری کی مثنوی "رمز الصلوۃ" ہو، ان کی بنیاد میں قرآنی اور دینی تعلیمات کا اثر نمایاں ہے، حالی کی مثنوی مسدس حالی جہاں مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت کی ترجمانی کرتی ہے وہیں اس میں دینی حوالے سے بھی واقعات ملتے ہیں،

صوفیائے کرام کے بعد ایک اہم کاوش قرآن حکیم کے اردو تراجم کے حوالے سے ہے، اس بارے میں شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی، شاہ رفیع الدین (1788ء) اور شاہ عبد القادر (1790ء) "موضح القرآن" کے نام سرفہرست ہیں، یہ پہلا بامحاورہ ترجمہ تھا، جنہوں نے اردو میں تراجم پیش کر کے اردو زبان کو ایک نیا وقار اور شناخت

عطا کی، شاہ رفیع الدین (1776ء) کے ترجمے کو بے محاورہ، لفظی اور دشوار قرار دیا گیا مگر شاہ عبدالقادر کا ترجمہ جو 1795ء میں ہوا اپنے پیشرو ترجمے کے مقابلے میں ادائے فہم، صفائی اور اختصار کے لحاظ سے بہتر ہے، اٹھارہویں صدی کے اواخر میں قاضی بدرالدولہ نے بھی قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر لکھی[4]۔

اگر ہم اردو شاعری کی زبان کا مقابلہ شاہ عبدالقادر کے ترجمے کی نثر سے کریں تو ہمیں ترجمے کی خوبصورتی اور تاثیر واضح طور پر نظر آئے گی، یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس زمانے کی اردو نے عربی کے وسیع مفہوم اور معانی کے سمندر کو اپنے کمزور اور شرمیلے قالب میں سمیٹنے کی کوشش کی تھی اور اس میں کامیاب بھی ہوئی تھی[5]۔

اردو میں قرآن مجید کے منظوم تراجم کا آغاز بھی بہت پہلے ہو گیا تھا، ''زاد الآخرۃ'' کے نام سے مولوی قاضی عبدالسلام بدایونی نے 1828ء میں قرآن کریم کی منظوم تفسیر پیش کی جسے مطبع نولکشور نے دو جلدوں میں شائع کیا[6]۔

فورٹ ولیم کالج کے تحت مولوی امانت اللہ شیدا اور حکیم شریف خان دہلوی نے بھی قرآن کریم کا ترجمہ کیا، سرسید احمد خاں، ڈپٹی نذیر احمد، مرزا حیرت دہلوی، شیخ محمود الحسن اسیر مالٹا اور امام احمد رضا خان اعلیٰ حضرت بریلوی نے کنزالایمان کے نام سے 1911ء میں ترجمہ کیا، ڈاکٹر طاہر القادری، مفتی تقی عثمانی، مولانا سید صفدر حسین نجفی، کے علاوہ تمام مکاتبِ فکر کے بہت سے علماء نے قرآن کے تراجم اور تفاسیر پیش کیں[7]۔

برصغیر میں مذہب کے عملی پہلوؤں کیلئے تفسیر، حدیث اور فقہ کے حوالے سے اردو زبان کو منتخب کیا جانے لگا۔

تراجم کے بعد تفسیر کا کام شروع ہوا تو شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی نے سب سے پہلے پارہ عم کی تفسیر ''تفسیر مرادیہ'' 1771ء میں لکھی[8]۔

اردو شاعری میں قرآنی آیات اور تعلیمات کو یوں خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے کہ نہ صرف شعر و ادب میں روحانی اور صوفیانہ رویے نے ایک نیا جنم لیا ہے بلکہ اردو زبان میں بھی لسانی حوالے سے بہت وسعت پیدا ہوئی۔ اردو کی ابتدائی اور ارتقائی منازل کے حوالے سے صوفیائے کرام کی کاوشوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جنھوں نے اردو اور مقامی زبانوں میں قرآن اور اس کی تعلیمات لوگوں تک پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا، ان صوفیائے کرام کے رسائل اور ملفوظات قرآنی اور اسلامی ادب کے حوالے سے اولین نقوش ہیں جن کا مطالعہ ہم اردو زبان کے ابتدائی دور میں کر سکتے ہیں، ''معراج العاشقین'' خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی لکھی ہوئی وہ کتاب جسے اردو میں نثر کی پہلی کتاب قرار دیا جاتا ہے، یعنی اسے ہم اردو زبان میں دین اسلام اور قرآنی تعلیمات پر مبنی پہلی کتاب قرار دے سکتے ہیں۔

اردو شاعری میں ایک طرف تو حمد و نعت نگاری کا سلسلہ بڑے ذوق و شوق سے جاری ہے دوسری طرف شعرائے کرام نے قرآن مجید کو بھی اپنے اپنے انداز میں مختلف بحروں کو استعمال میں لاتے ہوئے منظوم تراجم کے ساتھ پیش کیا، جس سے نہ صرف قرآن مجید کی تفہیم اور ترویج میں آسانی اور اضافہ ہوا بلکہ اس کی وجہ سے اردو شاعری کا دامن بھی وسیع ہوا، شاہ عالم کے عہد کے معروف عالم اور شاعر غلام مرتضیٰ جنون الہٰ آبادی کو اردو میں قرآن مجید کا پہلا منظوم ترجمہ نگار کہا جاتا ہے جنھوں نے 1780 میں تیسویں پارے کی منظوم تفسیر لکھی جو کہ بعد ازاں ''تفسیر مرتضوی'' کے نام سے کلکتہ سے شائع ہوئی،

شعراء کی ایک کثیر تعداد نے جس طرح قرآنی سورتوں کو منظوم انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، یہ رویہ تعلیمی، علمی، تدریسی اور روحانی حوالے سے بھی قومی زبان کی ترقی کے امکانات میں اضافے کا باعث بنا اور اس سے قومی زبان اردو کے علمی و ادبی ذخیرے میں بھی وسیع پیمانے پر نئے امکانات پیدا ہوئے، یہ اقدام قومی زبان میں اردو شاعری کے وقار اور امتیاز کا موجب بھی بنا، مولانا الطاف حسین حالی نے مسدس مدوجزر اسلام میں اسلامی تعلیمات اور قرآن کے پیغام کو بھی موضوع بنایا:

**یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا**
**کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا**
**وہی دوست ہے خالق دوسرا کا**
**خلائق سے ہے جس کو رشتہ وِلا کا**
**یہی ہے عبادت یہی دین وایماں**
**کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں**

حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال نے قرآن مجید کو اپنے نظریات کا سرچشمہ اور فکر کا محور بنایا اور اپنی شاعری میں قرآن مجید کو زندہ کتاب قرار دیا، ایک ایسی کتاب جس کا متن کبھی تبدیل نہیں ہوتا اور جس کی تعلیمات اور رہنمائی کے فیوض وبرکات ابدی ہیں، بقول علامہ محمد اقبال:

**حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک**
**کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک**

علامہ محمد اقبال نے اردو شاعری میں کئی قرآنی آیات کی طرف اشارہ کیا ہے، علامہ اقبال کی نظمیں شکوہ اور جواب شکوہ اس حوالے سے اہمیت کی حامل ہیں، مزید علامہ اقبالؒ نے اس مادی اور سرمایہ دارانہ اور اخلاقی حوالے سے بیمار دور میں ہمارے تمام مسائل کے حل کے لیے قرآن مجید سے مکمل اور جامع استفادے کا مشورہ دیا، قرآن مجید کا جامع فہم اور اس کی تعلیمات پر سختی سے عمل درآمد ہی ہمارے لیے نجات اور سرخروئی کے دروازے کھول سکتا ہے۔

**جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآں نہیں**
**ہے وہی سرمایہ داری بندہ مومن کا دیں**
**قرآن میں ہو غوطہ زن، اے مردِ مسلماں**
**اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار**

قرآن کریم کا موضوع انسان اور انسانی سماج ہے، اس میں حیات اور مابعد حیات کا جو تصور ملتا ہے وہ کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہے، قرآن مجید زندگی کے تمام شعبہ جات کا احاطہ کرتا ہے اور ان کے حوالے سے متوازن اور مناسب رہنمائی پیش کرتا ہے، یہ ایک زندگی گزرنے کا مکمل اور خوبصورت ترین لائحہ عمل ہے جو انسان کو نہ صرف اپنے بارے میں بلکہ پوری کائنات کے حوالے سے سوچنے کی دعوت دیتا ہے۔

قرآن مجید کی وساطت اور فیض کی بدولت فن قرأت کے علاوہ اردو میں جو علوم سامنے آئے ان میں علم معانی، علم خطاطی، علم النحو، علم البیان، علم التفسیر، علم حساب، علم الاخلاق، علم الاعراب، علم الفرائض، علم المواقیت، علم اللسان، علم ترجمہ، علم اصول، علم تدوین، علم التاریخ، علم الاشارات وتصوف، علم فلکیات، علم کائنات، علم بشر، علم تعبیر الرویا اور علم الہندسہ کے ساتھ دیگر کئی علوم کی وجہ سے اردو کو فصیح وبلیغ زبان بننے میں آسانی ہوئی۔

قرآن مجید کی زبان فصیح وبلیغ ہے، اسی لیے اردو زبان عربی رسم الخط اور عربی الفاظ کی وجہ سے بہت تیزی کے ساتھ برصغیر کی دیگر زبانوں کی نسبت زیادہ جلدی اپنی ابتدائی اور ارتقائی منازل طے کرتی چلی گئی۔

اردو میں قرآن کریم کے جب مطالب اور معانی کے حوالے سے تفاسیر لکھی جانے لگیں تو اس زبان میں علوم کا ایک بحر ذخار وجود میں آتا چلا گیا جس نے اردو زبان کو لسانی حوالے سے وہ کمال عطا کیا کہ یہ زبان جلد ہی ایک ترقی یافتہ اور معیاری زبان کی حیثیت اختیار کرتی چلی گئی اور اردو زبان کو جامع الکلام بننے میں اس سے بڑی مدد ملی کیونکہ قرآن کریم کے موضوعات میں وسعت ہے اور یہ مختلف جہات میں الفاظ اور ان کے معانی روشن بیانیوں کی صورت میں زبان اور اسلوب بیان کو نئے امکانات سے روشناس کراتے ہیں، زبان میں نئی نئی اصطلاحات کا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

"بیشتر انبیاء ورسل کے غیر عربی ناموں جیسے غیر عربی الفاظ کا استعمال اس قرآنی اصول کو ثابت کرتا ہے کہ کوئی بھی زبان تبھی زندہ، توانا اور ترقی یافتہ بن سکتی ہے جب اس میں وقت کے ساتھ دوسری زبانوں کے الفاظ ہم مزاج بنا کر شامل کیے جاتے رہیں، اس سے جغرافیائی طور پر دور دراز واقع لوگ اور اقوام قریب آئیں گی

بلکہ ان میں محبت و مؤدت بھی بڑھے گی، محمد اسلام نشتر اپنے مضمون ''قرآن کا تصور قومی زبان'' میں لکھتے ہیں:

**''اردو کا خمیر عربی سے اٹھا ہے، اردو کی تخلیق و تشکیل میں عربی کا بلاواسطہ اور بالواسطہ حصہ رہا ہے، بلاواسطہ کیچ مکران اور دیبل کے راستے عربوں کی ہندوستان سے تجارت اور پھر محمد بن قاسم کے حملے کے بعد آمد اسلام جبکہ وسطی ایشیا اور ایران کے راستے فارسی کے اثرات سے اردو کا بالواسطہ متاثر ہونا، اردو من حیث التخلیق اسلامی زبان ہے کیونکہ عربی اور فارسی تو اسلام سے پہلے بھی موجود تھیں مگر اردو نے برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے طفیل عربی سے جنم لیا اور فارسی کی گود میں پرورش پائی ہے، اس لحاظ سے اردو دنیا کی واحد غیر عرب زبان ہے جو اگر عربی نہیں تو عجمی بھی نہیں ہے، گویا اہل اردو عربوں کے دعویٰ کے مطابق عجمی یعنی گونگے نہیں ہیں، اردو ہمارا رابطہ براہ راست اسلام یعنی قرآنی عربی سے جوڑ دیتی ہے، دوسرے یہ کہ اردو دنیا بھر کے واحد ملک پاکستان کی فطری، قومی اور آئینی زبان ہے جو پاکستان کے قیام سے قبل ہی برصغیر پاک و ہند کی زبان عامہ یعنی لینگوا فرانکا کے مقام پر فائز ہو چکی تھی، یہ بعد ازاں تحریک پاکستان میں اپنے عربی فارسی رسم الخط کی وجہ سے ''دو قومی نظریہ'' کی اہم بنیاد بنی اور برصغیر کے مسلمانوں کی لسانی شناخت ثابت ہوئی، تیسرے اردو پاکستانی قوم کی بلاشرکت غیرے قومی زبان کے درجے پر فائز ہے جو ملک کے طول و عرض میں رابطے کا بڑا ذریعہ ہے، پاکستان کی تمام علاقائی زبانیں اور بولیاں اردو کی حلیف اور معاون زبانیں ہیں اور یہ اُن کی حلیف اور معاون زبان ہے، اِن کے مابین محبت و مؤدت کا فطری رشتہ پایا جاتا ہے، خوش قسمتی سے تمام پاکستانی زبانوں کا رسم الخط بھی عربی فارسی ہے جو انہیں یک جان دو قالب بناتا ہے[9]۔''**

عربی کی وجہ سے نماز روزہ حج زکوۃ توحید رسالت، عبادات، معاملات، عقد، نکاح، غزوات، اخلاق حسنہ، احادیث، کے حوالے سے اتنا بڑا ذخیرہ اردو میں شامل ہوا جو کہ قرآن ہی کی دین ہے، اردو ادب میں قرآنی قصوں حضرت موسیٰ (ع) کا قصہ، حضرت یوسف (ع) کا قصہ، حضرت نوح (ع) کا قصہ، حضرت آدم و اماں حوا (ع) کا قصہ، غارِ حرا، اصحاب کہف، اصحاب فیل، ہاروت ماروت وغیرہ قرآن کریم اور اسلام کی وجہ سے اردو زبان کا حصہ بنے، بچوں کے نام بھی قرآن سے تلاش کر کے رکھے جانے لگے۔

ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ قرآن بھی انیسویں صدی میں سامنے آیا، اسی طرح اردو میں قرآنی محاورات کی وجہ سے بڑی فصاحت اور بلاغت پیدا ہوئی، مثلاً: بسم اللہ کرنا، من و سلویٰ اترنا، توشۂ آخرت، عزت و ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے، کلام کرنا، الٹے پاؤں پھرنا، ڈھیل دینا، نوشتۂ تقدیر، آنکھوں کی ٹھنڈک، الم نشرح / شرحِ صدر ہونا، دلوں پر تالے پڑ جانا، سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانا، توبۃ النصوح، نظر ثانی کرنا، کانوں میں انگلیاں دے لینا، قل ہونا، قل آعوذی، بیعت کرنا، دلوں پر قفل لگنا، مزہ چکھنا، دلوں پر مہر لگ جانا، عقل کے اندھے، آفت مول لینا، کان پھوٹ جانا، بیج بونا، تاریکی سے روشنی میں لانا، جیسی کرنی ویسی بھرنی، جیسے کو تیسا، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنا، شبہ پڑنا، دلوں کا پاک ہونا، ہوا اکھڑ جانا، آنکھوں کا پھوٹ بہنا، زمین تنگ ہونا، کان پھوٹنا جیسے بے شمار محاورات ہمیں ملتے ہیں جنھوں نے اردو زبان کے دامن کو وسیع کیا۔

بزبانِ اسیر لکھنوی:

**ڈر گئے میرے نالوں سے مؤذن ایسے**
**انگلیاں کانوں میں ہنگام اذاں رکھتے ہیں**

بزبانِ حفیظ جالندھری:

**یہی وہ قوم ہے جس کے لیے نعمت کے مینہ برسے**
**کہ اترے من و سلویٰ ان کی خاطر آسمانوں سے**

بزبانِ درد کاکوروی:

**سب عظمتیں اس کی نہاں ہیں فاذکرونی سے عیاں ہے جس کا**
**اذکرکم بیاں اللہ کا میں بھید ہوں[10]**

بزبانِ اکبر الہ آبادی:

**جو حکم وَاعتصمو ہم کو ہے بحبل اللہ**
**بتایئے کہ کہاں ہے وہ حبل عالم میں**

بزبانِ عبد العزیز خالد :

**پیام جس کا ہے وَاعتصموا بحبل اللہ**
**کیا دماغ ودلِ منفعل کو جس نے بہم**

بزبانِ امجد حیدرآبادی:

**انسان سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں**
**نادان سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں**
**لا حول ولا قوۃ الا باللہ**
**شیطان سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں**

عربی الفاظ اور قرآنی آیات شاعری کی مختلف اصناف میں بکثرت ملتی ہیں۔

امجد حیدرآبادی کی لکھی ہوئی یہ نظم ”نبی جی کی لوری“ کا طرزِ کلام ملاحظہ کیجئے:

**آمنہ بی بی کے گلشن میں آئی ہے تازہ بہار**
**پڑھتے ہیں صل اللہ وسلم آج درودیوار**
**نبی جی اللہ اللہ ھو لا الہ الا ھو**[11]

بزبانِ عزیز لکھنوی:

**یہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ سے ہوا ظاہر**
**کہ تھی منظورِ حق کس درجہ ان کی عزت افزائی**

اردو زبان میں جب عربی زبان کے الفاظ اور خاص طور پر قرآنی تعلیمات کا بیان ہونے لگا تو اس کی وجہ سے اردو زبان مسلمانان ہند کے دلوں میں گھر کرتی چلی گئی، اردو نے قرآن سے رشتہ جوڑا تو اس میں قرآنی تلمیحات بھی اردو زبان کے سرمائے میں شامل ہو گئیں، جن میں آدم و حوا، اخوان یوسف، حجر اسود، شق القمر، غارِ حرا، شداد، نمرود، اصحاب فیل، لن ترانی اور صور اسرافیل وغیرہ قابل ذکر ہیں.

”اسلامی اعتقادات اردو میں شامل ہوئے تو اس کی وجہ سے ایک ایسی صلاحیت پیدا ہو گئی جس کا کسی اور طرح سے وجود میں آنا آسان نہ تھا[12]۔“

اقبال کے کلام میں ان تمام شخصیات کا ذکر ملتا ہے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے، اقبال کی ساری فکر انگیزی قرآن کے رشتۂ صافی کی مرہون منت ہے اور نہ صرف یہ کہ اقبال نے مشاہدۂ حیات میں صرف قرآن کی ان ابدی صداقتوں اور بنیادی قدروں کو سامنے رکھا جو ہمیشہ سے انسانیت کی تعمیر تہذیب کرتی آئی ہیں بلکہ اقبال کا ادب و فن بھی قرآنی فن و ادب کا خوشہ چیں ہے، ہمیں جہاں اقبال کے کلام میں درد، سوز، حرارت اور تپش نظر آتی ہے وہیں فکر کی روشنی، منطقی استدلال، فلسفیانہ انداز اور اقبال و خرد کے چراغ جلتے نظر آتے ہیں، قرآن کا ادبی اسلوب بھی یہی ہے[13]،

**جس کی نومیدی سے ہو سوزِ دُرونِ کائنات**
**اُس کے حق میں 'تَقنَطُوا' اچھا ہے یا 'لَاتَقنَطُوا'؟**

الحکم اللہ، الست، الفقرُ فخری، الم، الم الکتاب، بسم اللہ، تقنطو، لاتقنطو، حرم، حور، خلق عظیم، رحمٰن، رفعنا لک ذکرک، سدرہ، سلسبیلا، شمس، علم الاسما، شرابً طہورا، قلبِ سلیم، قلِ العفو، قُم، قل ھو اللہ، کن فیکون، لات و منات، لاتحف، لاتذر، لاشریک لہ، لا الہ الا اللہ، وغیرہ کثیر تعداد میں استعمال کیے گئے ہیں،

**وہ رمز شوق کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے**
**طریق شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کہیئے![14]**

بزبانِ علامہ محمد اقبال:

**خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے**
**یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے**

اکبر الہ آبادی کی شاعری میں بھی قرآنی الفاظ و تلمیحات کا ذکر ملتا ہے:

**جھکتا نہیں بندہ کسی بدخواہ کے آگے**
**کیا غم ہے توکلت علی اللہ کے آگے**[15]

امام احمد رضا خاںؒ نے "حدائق بخشش" میں بے شمار قرآنی تلمیحات کو پیش کر کے قرآنی تعلیمات کو اردو زبان میں یوں پیش کیا ہے،

**"ورفعنالک ذکرک" کا ہے سایہ تجھ پر بول بالا ہے تیرا ذکر ہے اونچا تیرا**

مختلف شعرائے کرام نے مختلف اوقات میں قرآن مجید کی سورتوں کا منظوم اردو ترجمہ کرنے کا کام شروع کیا جس کی وجہ سے ایسی بہت سی نظمیں اردو زبان کا حصہ بن گئیں جن میں قرآنی متن اور مطالب کا خاص اہتمام کیا گیا ہے.

اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کہ اردو زبان کو قرآنی تعلیمات نے وہ ذخیرۂ لفظی اور تشریح و تفسیر کا خزانہ عطا کیا جس نے اردو زبان کے فروغ اور اس کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے.

☆☆☆


)[1]آلِ عمران:138(

)[2]الیوسف:111(

)[3]شفقت رضوی، مرزادبیر کا نعتیہ کلام، مشمولہ نعت رنگ کراچی، شمارہ نمبر 25، اگست 2015ء، ص:661(

)[4]نثار احمد قریشی'ڈاکٹر (مرتب)، ترجمہ: روایت اور فن، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، 1885ء، ص:5(

)[5]ایضاً(

)[6]حمید شطارہ'سید، قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کا تنقیدی مطالعہ،2914ء، تک، حیدرآباد دکن، ناشر سید حمید شطاری، 1982ء، ص:386(

)[7]قرآن کریم کی فہرست(https://ur.wikipedia.org/wiki/

)[8]جمیل جالبی'ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، حصہ دوم، لاہور، مجلس ترقی ادب، 1982ء، ص:1044(

[9])https://nlpd.gov.pk/IlmOFun2/IF_2.html(

)[10]شمیم نگہت، اردو میں قرآنی محاورات، مقالہ پی ایچ ڈی اردو، سندھ یونیورسٹی، ص:170(

)[11]اردو نعت کی شعری روایت، مرتبہ صبیح رحمانی، کراچی، اکادمی بازیافت، 2016ء، ص:85(

)[12]اعجاز حسین'ڈاکٹر مذہب اور شاعری، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، 1955ء، ص:100(

)[13]محمد بدیع الزماں، اقبال شاعر قرآن، امبیڈکر نگر ضلع ٹانڈہ، دانش بکڈپو، 1997ء، ص:23(

)[14]محمد بدیع الزماں، اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات اور قرآیانی آیات کے منظوم ترجمے، امبیڈکر نگر ضلع ٹانڈہ، دانش بکڈپو، 1995ء(

)[15]اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، مرتبہ محمد نواز چودھری، لاہور، مکتبہ شعر و ادب، ص:259(

# قومی زبان اردو اور ہمارے حکمرانوں کا کردار

کومل شہزادی

زبان ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعے انسان اپنی بات و احساسات کی ترجمانی کرتا ہے، کسی بھی زبان کے بارے میں بنیادی بات جس کا اطلاق ہر زندہ زبان پر ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ زبان کسی خاص مِنطِقے کی حدود کی پابند نہیں ہوتی بلکہ اس زبان کو اچھی طرح سے جاننے والے لوگ جو کچھ عام طور پر بولتے اور سنتے ہیں، ان کا تعلق کسی بھی منطقے سے ہو، وہی زبان ہے۔

بقول مولوی عبدالحق:

**"زبان کا انسان کی زندگی میں بہت بڑا دخل ہے، اس کے نتائج اور اثرات نہایت عجیب اور دور رس ہیں اگر ہم اس کے تحفظ و ترقی کے لیے جدوجہد کریں، جان لڑا دیں تو یہ ہمارا فرض ہے اور اس فرض سے غفلت کسی مذہب و ملت میں روا نہیں۔"**

جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے، یہ ہمارے پیارے وطن پاکستان کی قومی زبان ہے، اردو زبان کی تخلیق کے بارے میں ماہرینِ لسانیات نے مختلف آرا پیش کی ہیں، ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ لفظ اردو ترکی زبان سے نکلا جس کے معنی لشکر یا فوج کے ہیں، اسے لشکری زبان بھی کہا گیا ہے، ترکی زبان میں فوج یا لشکر کو "اردو" یا "اوردو" کہا جاتا ہے، اس لفظ کا استعمال شاہ جہان کے دور سے شروع ہوا جب دہلی کے پاس چھاؤنی کو اردو معلے کے نام سے منسوب کیا گیا اور اسی طرح اس علاقے میں بولی جانے والی زبان تھی۔

آج تک جتنی بھی قوموں نے ترقی کی اگر تاریخ کو چھان کر دیکھیں تو سب نے اپنی اپنی ہی زبان میں کی ہے، دنیا کے اکثر ممالک قوم کو تعلیم اپنی قومی زبان میں دیتے ہیں، خاص طور پر ابتدائی تعلیم۔

جاپان نے شکست کے بعد اپنی زبان اور تعلیمی نظام کو برقرار رکھا اور چالیس سال کے اندر عالمی قوت بن گیا لیکن پاکستان کی کچھ اس حوالے سے صورت حال نازک ہی ہے کیونکہ حکمرانوں کا کردار اس میں نظر نہیں آتا اور نہ ہی اس مسئلے کو سنجیدگی سے دیکھا جا رہا ہے، ہماری زبان ہی ہماری پہچان ہے اگر وہ نہیں تو ہم کس کھاتے میں شمار ہوں گے، سب سے بڑا المیہ تو یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے اردو کو قومی زبان کی حیثیت سے تمام اداروں میں نافذ کرنے کا حکم دیا لیکن اس فیصلے پر عمل درآمد ابھی بھی نہیں ہو رہا جس طرح دوسرے معاملات میں ہوتا ہے، حکمرانوں کی اگر تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں تو کس نے نفاذ اردو میں اہم کردار کیا اور کس حد تک کیا وہ سب کے سامنے ہے۔

ڈاکٹر بدر منیر کا نہایت بر محل شعر ہے:

**جڑتی نہیں ہے قوم جو اپنی زبان سے**

**کب سر اٹھا کے دنیا میں جیتی ہے شان سے**

افسوس کا مقام ہے اس زندہ قوم و حکمرانوں کے لیے جو اپنی ہی زبان کو دوسری زبانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی ترقی میں کس نے کیا کردار ادا کیا آج تک وہ بھی کسی سے چھپا ہوا نہیں۔ زبان انسان کی شناخت ہے، انسان کا تعارف ہے، انسان کی پہچان ہے۔

بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

**"اردو زبان زندہ ہے لیکن اُن کے لیے نہیں جو مر چکے ہیں۔ اردو زبان مر چکی ہے لیکن اُن کے لیے جو زندہ ہیں۔"**

قائد اعظم کو اردو کی اہمیت کا احساس تھا اور وہ اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ جس قوم کی زبان ایک نہیں، اس کا دل بھی ایک نہیں اور یہ کہ پاکستان کے تمام مسلمانوں کا شیر ازہ بندی اس زبان کے ذریعے ممکن ہے۔

بقول قائد اعظم: **"پاکستان کی سرکاری زبان جو مملکت کے مختلف صوبوں کے درمیان افہام و تفہیم کا ذریعہ ہو، صرف ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ اردو ہے۔ اردو کے سوا اور کوئی زبان نہیں۔"**

قومی زبان کی ترویج و ترقی میں جو جو ادارے سر گرم ہیں اور اپنی زبان کی ترقی کے لیے کوشاں ہیں اُن کی خدمات قابل ستائش ہیں۔ اسی طرح شہرِ اقبال میں قومی زبان کی ترویج و ترقی کے لیے بزم اہل سخن پاکستان سر گرم ہے اور خدمات سر انجام دے رہی ہے جو اب نہ محض شہرِ اقبال بلکہ وطن عزیز کے دوسرے شہروں میں بھی پیش پیش ہے۔ اس کے بانی محترم عامر شریف جو اس تحریک کو آگے لے جانے کے لیے شب و روز کوشاں ہیں اور اپنی پوری قوت کے ساتھ قومی زبان کی ترویج و ترقی کے لیے مگن ہیں۔ اس سلسلے میں وہ باقاعدہ سیمینارز اور مختصر ورکشاپ کا انعقاد بھی کرتے ہیں۔ اب یہ تحریک کافی سر گرم ہے کہ ملک گیر نابغہ عصر شخصیات بھی اس کا حصہ بنتی جا رہی ہیں۔ اس بزم کے اغراض و مقاصد پر اجمالاً روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اس کے پس منظر اور پیش منظر کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھا جا سکے۔ بزم اپنے قیام کے روزِ اوّل سے ہی "ہر سطح پر قومی زبان کی اہمیت" کا شعور بیدار کرنے کے لیے سر گرمِ عمل ہے اس کے اغراض و مقاصد درج ذیل ہیں:

**اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے تحت اور اسلامی حدود و قیود کے دائرے میں رہتے ہوئے اُردو زبان کی ترویج و نفاذ کے لیے تمام وسائل اور ذرائع بروئے کار لانا۔ نفاذِ اُردو کی آئینی حیثیت کی بحالی کے لیے ہر سطح پر آواز بلند کرنا خصوصاً 1973ء کے آئین کی شق ۲۵۱ کے تحت اس کی آئینی حیثیت پر عمل درآمد کے لیے جدو جہد کرنا۔ اُردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے کوشش کرنا نیز سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں اُردو کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرنا۔**

اس خدمات کے لیے بانیٔ بزم عامر شریف صاحب داد کے مستحق ہیں کہ وہ اتنا اہم اور عمدہ کام سر انجام دے رہے ہیں۔ قومی زبان کو زندہ زبان رکھنے کے لیے جو مسلسل اپنی مدد آپ کے تحت جدوجہد کر رہے ہیں۔

افسوس صد افسوس جو حکمران اپنی زبان کے لیے کام نہ کر سکے اُن سے اُمید رکھنا بھی کسی صورت ممکن نہیں۔

قوم اپنے ان محسنوں کو فراموش نہیں کر سکتی جنھوں نے اپنی قومی زبان اردو کے لیے سخت جدوجہد کی اور کر رہے ہیں۔ اسی طرح جہاں جہاں کوئی بھی فرد اردو کی شمع کو روشن کیے ہوئے، دراصل دامے، درمے، قدمے، سخنے غرض کسی نہ کسی طرح ان کی خدمات کا ہمیں ہمیشہ اعتراف رہے گا۔

المختصر، یہ ہی کہنا چاہوں گی کہ اپنی زبان کی قدر کیجیے اور اس سے محبت کیجیے کہ یہی ہماری پہچان بھی ہے اور ملکی سالمیت کی ایک کنجی بھی۔

**بقول منیش شکلا: بات کرنے کا حسین طور طریقہ سیکھا**

**ہم نے اردو کے بہانے سے۔**

# اردو کے نفاذ کو بھول جایئے

محمد احمد سبزواری

**زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا**

**بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے**

گزشتہ ۶۵ برس میں ملک میں کافی آئینی تبدیلیاں آچکی ہیں۔ بعض بنیادی مسائل نظر انداز کر دیے گئے اور بعض کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اسی میں پاکستان کی قومی زبان اردو کے نفاذ کا مسئلہ ہے جو چوبیس سال سے اٹکا ہوا ہے اور اب تنہا اس کے نفاذ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

قیام پاکستان کی خوشیاں ماند ہوتے ہی مشرقی پاکستان میں اردو کی قومی زبان بننے کے چرچے شروع ہوگئے تھے اور اس کے خلاف سر گوشیاں ہونے لگیں غالباً اس کے ذمے دار مغربی پاکستان کے وہ بیورکریٹ تھے جو مشرقی پاکستان میں متعین اردو کی برتری کا چرچا کرتے رہتے تھے اور وہاں کی غیر مسلم آبادی کو بھڑکاتے رہتے تھے، سیاسی چنگاریوں کو شعلے بن کر بھڑکنا تھا سو وہ بھڑک کر رہے۔

بنگال تو جدید اردو نثر کی جنم بھومی تھا۔ اردو اور بنگال میں کلکتہ اور مرشد آباد کے روابط بہت پرانے تھے۔ ۱۷۸۱ میں انگریزوں نے یہاں مسلمانوں کے لیے "کلکتہ مدرسہ" قائم کیا جس میں عربی ،فارسی اور اردو کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ۱۸۰۰ء میں سرنگاپیٹم کی فتح کی سال گرہ "پر فورٹ ولیم کالج" کی بنیاد رکھی گئی جس نے پس پردہ ایک "متنازعہ زبان" کو جنم دینے کے باوجود "جدید اردو نثر" کے دبستان کی بنیاد رکھی۔ کلکتہ میں اردو کا پریس قائم ہوا۔ ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ والی اور دمہ کو لاؤ لشکر کے ساتھ میٹا برج میں نظر بند کیا گیا۔ کلکتہ میں اردو کے مشاعرے بھی ہوتے تھے۔ ان میں مرزا غالب نے بھی شرکت کی۔ برہان قاطع اور قاطع برہان کا قبضہ یہیں شروع ہوا۔ جس میں بنگال کے خواجہ حیدر شائق اور سید غلام مصطفےٰ نے غالب کی ہم نوائی اور پاس داری کی (۱)

محمڈن ایجوکیشنل کانگریس جو بعد میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کہلاتی جس کے مقاصد قدیم علوم کی تحقیقات اور اردو کے مشہور مصنفین کی سوانح تیار کرنا تھا۔ اس کا ۱۸۹۹ء میں تیرہواں اجلاس تاریخ اسلام اور اسپرٹ آف اسلام کے مصنف جسٹس سید امیر علی کی صدارت میں کلکتہ میں ہوا۔ بیسواں اجلاس ڈھاکہ میں جسٹس سید شرف الدین کی صدارت میں ۱۹۳۰ء، پچاسواں اجلاس ۱۹۳۹ء میں پھر کلکتہ میں سر حیدر نواز جنگ کی صدارت میں ہوا۔ (۲) ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی بنیاد نواباں ڈھاکہ اور مرشد آباد کے تعاون سے کلکتہ میں رکھی گئی مولانا ابوالکلام آزاد کا مشہور ہفتہ وار اخبار الہلال یہیں سے شائع ہوتا رہا۔ ڈھاکہ اور سلہٹ میں انجمن ترقی ہند کی شاخیں قائم ہوئیں۔ ۱۹۴۳ء میں ویناج پور میں شمالی بنگال اردو کانفرنس ہوئی۔ بابائے اردو نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ عام طور پر بنگالی اردو کو "شبی جی کی زبان" کہتے تھے، جہاں کوئی اردو کا پرزہ نظر آتا اس کو چوم کر کسی شگاف میں ٹھونس دیتے تھے۔ اس پس منظر میں اردو کے خلاف بنگالیوں کے جذبات کا شدت سے بھڑکنا قابل غور ہے۔ ۲۲ فروری ۱۹۴۸ء کو خواجہ ناظم الدین نے مشرقی پاکستان کے لوگوں کو اردو کو قومی زبان تسلیم کر لینے کی تلقین کی۔ شیخ مجیب جو اب تک پکے مسلم لیگی تھے انہوں نے مطالبہ کیا کہ اردو کے ساتھ بنگالی کو بھی قومی زبان کا درجہ دیا جائے

کیونکہ ملک میں بنگالی بولنے والے اکثریت میں ہیں۔ ۱۱ مارچ کو شیخ مجیب کو گرفتار کر لیا گیا۔(۳)

۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں ہونے والے جلسے میں قائد اعظم نے زبان کو موضوع بنایا اور تفصیل سے بتایا "کہ اس صوبے کے لوگوں کو حق پہنچتا ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ اس صوبے کی زبان کیا ہو گی۔ لیکن میں آپ کو واضح طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہو گی، صرف اردو اور اردو کے سوا کوئی زبان نہیں" تین دن بعد ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیمِ اسناد میں ان خیالات کا اعادہ کیا۔ مجھے اس تقریر کا ریکارڈ مل گیا ہے۔ اس کے اہم نکات حسب ذیل ہیں۔:

قائد اعظم نے اپنی تقریر کا آغاز ان الفاظ سے کیا "میں سربراہ مملکت کے بجائے ایک ایسے دوست کی حیثیت سے اُن سے مخاطب ہوں جن کو میں ہمیشہ عزیز رکھتا ہوں "شکریے اور مصروفیت کے چند جملوں کے ساتھ ان مشکلات کا ذکر جو نئی مملکت کو درپیش ہیں اور نئی ذمے داریوں کا احساس دلانے اور دشمنوں سے ہوشیار رہنے کے مشورے کے بعد آپ نے کہا:

"مجھے مملکت پاکستان کی سرکاری زبان پر اپنے خیالات کا اعادہ کرنے کا موقع دیجئے۔ صوبے کے لوگ جو زبان پسند کریں وہ اس صوبے کی دفتری زبان کے لیے اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ مکمل طور پر اس صوبے کے افراد کی خواہشات کے مطابق طے کیا جائے گا جس کا اظہار وہ پوری آزادی اور جذبات سے بالاتر ہو کر مناسب وقت پر اپنے تسلیم شدہ نمائندگان کے ذریعہ کر سکتے ہیں۔ البتہ لنگوا فرنکا صرف ایک ہو گی اور یہ وہ زبان ہو گی جو مملکت کے مختلف صوبوں میں باہمی افہام و تفہیم کا ذریعہ ہو اور یہ زبان اردو ہو گی یہ وہ زبان ہے جس کو اس برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں نے پروان چڑھایا اور جو زبان پاکستان کے گوشے گوشے میں سمجھی جاتی ہے۔ مزید براں یہ دوسری صوبائی زبانوں کے مقابلے میں اسلامی ثقافت اور مسلم روایات سے مزین ہے۔ یہ بات حیرت انگیز نہیں کہ انڈین یونین میں اردو کو نکال دیا گیا ہے اور اردو کا رسم الخط سرکاری طور پر ممنوع قرار دے دیا گیا۔ ان تمام واقعات سے وہ لوگ پوری طرح واقف ہیں جو زبان کے تنازع کا استحصال کر کے بدامنی پھیلا کر مملکت کے مسلمانوں کے درمیان انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ غیر بنگالی مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانا چاہتے ہیں۔ ہنگامے کا کوئی جواز نہیں، لیکن صورت حال کو تسلیم کرنا ان کے مقاصد کے مطابق نہیں۔ تنازع کے استحصال سے ان کا واحد مقصد مملکت کے مسلمانوں کے درمیان ناچاقی پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ انہوں نے غیر بنگالی مسلمانوں کے خلاف نفرت کو بھڑکانے کی کوششوں کو پوشیدہ نہیں رکھا۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد جو بیان تمہارے وزیر اعظم نے کراچی سے واپسی پر زبان کی وضاحت پر دیا اس کے بعد سورش کی کوئی گنجائش نہیں۔ جہاں تک اس صوبے کے عوام کے اس حق کا تعلق ہے کہ اگر وہ اس صوبے کے افراد کی خواہش کے مطابق بنگالی کو صوبے کی زبان بنانے کے خواہش مند ہیں تو اس کو تسلیم کیا جا چکا ہے مگر اب انہوں نے اپنی حکمت عملی بدل لی۔ اب انہوں نے مطالبہ شروع کر دیا کہ بنگالی کو مملکت پاکستان کے مرکز کی زبان ہونا چاہیے۔ چونکہ وہ اسلامی مملکت پاکستان کی اردو کی سرکاری حیثیت کے استحقاق کو نظر انداز نہیں کر سکتے لہٰذا اب انہوں نے یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ اردو اور بنگالی دونوں پاکستان کی سرکاری زبانیں ہونا چاہئیں، اس سلسلے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونا چاہیے کہ سرکاری زبان ایک ہی ہو سکتی ہے اگر مملکت میں شامل ہونے والے علاقوں کو متحد ہو کر آگے بڑھنا ہے تو میری رائے میں وہ زبان صرف اردو ہو سکتی ہے۔ میں نے اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے تا کہ میں تمہیں داؤ پیچ سے آگاہ کر دوں جو دشمنان

**پاکستان اختیار کر رہے اور چند موقع پرست سیاست دان جو اس مملکت میں ابتری پھیلانا یا حکومت کو بدنام کرنا چاہتے ہیں ان کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔(۴)**

قائداعظم کی اس تقریر کے دو دن بعد ۲۷/۲۶ مارچ کو لاہور میں پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام مولوی عبدالحق کی صدارت میں اردو کانفرنس ہوئی جس کا افتتاح سر شیخ عبدالقادر نے کیا اور پنجاب کے گورنر سردار عبدالرب نشتر نے تعارفی تقریر کی۔(۵) اور مولوی صاحب نے اپنے خطبے میں جو اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ پاکستان کی سرکاری زبان کوئی اور ہو جائے گی کی سختی سے ان الفاظ میں تردید کی کہ **"مولوی صاحب کا یہ اندیشہ بے بنیاد ہے کہ اردو کے بجائے کوئی اور قومی زبان بنا دی جائے، میں کہتا ہوں یہ نہیں ہو سکتا نہ کسی کی مجال کہ اردو کے سوا کسی اور زبان کو پاکستان کی قومی اور سرکاری بنا سکے اس معاملے میں کسی قسم کا شک و شبہ دل میں نہیں لانا چاہیے"**۔ مولوی صاحب دور اندیش بزرگ تھے آج ان کا اندیشہ درست ہوتا نظر آ رہا ہے۔ دوسری طرف اردو کی ترقی اور توسیع کا کام بھی جاری رہا۔ انجمن ترقی اردو دہلی سے کراچی منتقل ہو گئی '۱۹۴۹ء میں اردو کالج قائم ہوا '۱۹۵۱ء میں کراچی میں کل پاکستان اردو کانفرنس ہوئی 'اسی سال راقم کی ادارت میں انجمن کا ماہ نامہ جریدہ معاشیات جاری ہوا 'انجمن نے فرہنگ اصطلاحات بنکاری 'اور مولوی صاحب کا تحریر کردہ کتابچہ پاکستان کی قومی اور سرکاری زبان کا المیہ شائع کیا۔ پنجاب میں ڈاکٹر سید عبداللہ اپنے رفقاء کے ساتھ اردو کی خدمت میں مصروف رہے۔ ان مساعی کے باوجود بقول جسٹس (ر) حاذق الخیری ۱۹۵۴ میں بنگلہ کو قومی زبان کا درجہ دے دیا گیا۔ ۱۹۵۶ کے پہلے دستور ۲۱۴ اور ۱۹۶۲ کے آئین کی دفعہ ۲۱۵ کے تحت بنگلہ پاکستان کی قومی زبان رہی۔ ۱۹۷۱ میں مشرقی پاکستان الگ ہو گیا۔ ۱۹۶۲ کا آئین ناکارہ ہو چکا تھا۔ اس لیے ایک نیا آئین بنا، زبان کے متعلق اس کی دفعہ یہ ہے قومی زبان۔

۲۱۵(۱) پاکستان کی قومی زبان اردو ہے اور یوم آغاز سے پندرہ برس کے اندر اندر اس کو سرکاری اور دیگر اغراض کے لیے استعمال کرنے کے انتظامات کیے جائیں۔

(۲) شق (ر) کے تابع انگریزی زبان اس وقت تک سرکاری اغراض کے لیے استعمال کی جا سکے گی جب تک اس کے اردو سے تبدیل کرنے کے انتظامات نہ ہو جائیں۔

(۳) قومی زبان کی حیثیت کو متاثر کیے بغیر کوئی صوبائی اسمبلی قانون کے ذریعے قومی زبان کے علاوہ کسی صوبائی زبان کی تعلیم، ترقی اور اس کے استعمال کے لیے اقدامات کی تجویز کر سکے گی(٦)

اس دفعہ قومی زبان کے ساتھ صوبائی زبانوں کے تحفظ کا پورا اہتمام کیا گیا ہے، مقتدرہ قومی زبان نے دفتری اصطلاحات، اہم فارمات کے تراجم کے ساتھ جدید ٹیکنالوجی یعنی اردو کو کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی زبان بنانے اور اردو ڈیٹا بیس کی تیاری میں بڑی پیش رفت حاصل کر لی ہے۔ چوبیس سال گذر جانے کے باوجود اردو کے نفاذ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ اب تو صورت حالت خاصی تشویش ناک ہوتی جا رہی ہے۔

دوسری طرف اس درمیان میں اردو پر حملے بھی ہوتے رہے، صدر ایوب خان کے دور میں اردو کو وسعت دینے کی خاطر اس کے موجودہ رسم الخط کو رومن حروف میں تبدیل کرنے کا چرچا رہا جس کو محبانِ اردو نے پروان نہ چڑھنے دیا۔ ترقی پسند حلقوں میں بنگالی کو قومی زبان تسلیم نہ کرنے پر قائداعظم اور اردو کی بے جا حمایت پر مولوی عبدالحق تک کو نشانہ ملامت بنایا گیا۔(۷)

زبان کے نفاذ میں صوبے وفاق سے سبقت لے گئے۔ ۱۹۶۲ء میں گورنر غوث بر نجو نے پہلا قدم اٹھایا اور ٦ مئی ۱۹۶۲ کو اردو کو صوبہ بلوچستان کی دفتری زبان بنانے کا اعلان کیا۔ چند روز بعد ارباب

سکندر خان خلیل نے صوبہ سرحد میں اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ ملک معراج محمد خان نے پنجاب کی دفتری زبان اردو کو قرار دے دیا (۸)

۱۹۸۳ میں اس وقت کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی ہدایت پر ایک سرکلر جاری ہوا جس میں سرکاری دفتروں میں ملکی معاملات میں اردو کو استعمال کرنے کی ہدایت کی گئی، راقم کو علم ہے کہ بعض دفتروں میں اس پر عمل بھی شروع ہوا۔ اسی زمانے میں صدر نے افسران کے تربیتی ادارے نیپا لاہور کا دورہ کیا۔ وہاں انہوں نے انگریزی کی بجائے اردو کو تربیتی اغراض کے لیے استعمال کرنے کا مشورہ دیا۔ اس کے بعد وہ نیپا کراچی آنے والے تھے چنانچہ وہاں کے ڈائریکٹر نے انگریزی کی انتظامی اصطلاحات کے ترجمے کا کام راقم کے سپرد کیا۔ چند روز کے بعد اسٹیبلشمنٹ کے سیکرٹری جو نیپا بورڈ کے صدر ہی تھے، کراچی تشریف لائے اور اس پروگرام کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ "صدر کا ہر قول عمل کے لیے نہیں ہوتا کچھ باتیں عوام کو خوش کرنے کے لیے بھی کہی جاتی ہیں۔(۸) اردو کے نفاذ کی سطح پر خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ دفعتاً قومی اسمبلی میں حکومتی بنچوں پر بیٹھنے والے بائیس ارکان کا تیار کردہ ایک آئینی بل کا مسودہ اسمبلی میں پیش کیا گیا جس میں درخواست کی گئی کہ آئین کی دفعہ ۲۵۱ میں تبدیلی کی جائے اور مجوزہ ترمیم کو آئین کا حصہ بنایا جائے۔ ترمیم یہ ہے:

(۱) بلوچی، پنجابی، شنا/بلتی، سندھی، سرائیکی اور اردو پاکستان کی قومی زبانیں ہیں۔

(۲) انگریزی اس وقت تک دفتری زبان رہے گی جب تک متبادل قرار پا سکیں۔

(۳) کوئی بھی صوبائی اسمبلی قانون کے ذریعہ قومی زبانوں کے ساتھ صوبائی زبان کی تدریس، فروغ اور استعمال کے لیے اقدامات تجویز کر سکے گی چونکہ حکومت (۳۴۲ ارکان اسمبلی) کی جانب سے مسودہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا اس لیے حسب ضابطہ اسے ایوان کی متعلقہ کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا جو کسی وقت بھی غور کے بعد حتمی شکل میں ایوان میں منظوری (بحث و مباحثہ) کے لیے پیش کیا جا سکتا ہے (۱۰)

یہ ترمیم پنڈورا بکس کھولنے کے مترادف ہو گی۔ اتنی اتھل پتھل ہو گی کہ سنبھالے نہ سنبھلے گی۔ "اردو کے مستقبل کو خطرے کی گھنٹی" کے عنوان سے راقم کا ایک مختصر کالم ۲۹ مئی ۲۰۱۲ء کے اخبار جنگ کراچی میں شائع ہوا۔ یہ کالم اخبار کے دوسرے ایڈیشنوں میں بھی شائع ہوتا ہے۔ جنگ ۱۵/۱۶ لاکھ افراد کی نظروں سے گزرتا ہے، کسی نے کالم تو کیا مراسلہ لکھنے کا بھی تکلف نہیں کیا۔ کیا سارے پاکستانی آٹھ قومی زبانوں کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہیں؟

حکیم شہید محمد سعید نے ۱۹۹۴ء میں شام ہمدرد کو شوریٰ ہمدرد میں تبدیل کر دیا۔ ان کی صاحبزادی سعدیہ راشد اس تھنکرز فورم کو بڑی باقاعدگی سے چلا رہی ہیں۔ اس کے ارکان میں دانش ور، وائس چانسلرز پروفیسر ریٹائرڈ میجر، فوجی بیوروکریٹ شامل ہیں، کراچی، لاہور، راولپنڈی/اسلام آباد اور پشاور اس کے مراکز ہیں۔ وقت کی مناسبت سے ایک موضوع منتخب کر کے تمام اراکین کو مطلع کر دیا جاتا ہے۔ موضوع سے متعلق دانشور کو کلیدی تقریر کے لیے نامزد کیا جاتا ہے پھر عام بحث ہوتی ہے، ہر جلسے کے اختصاری نوٹ حکومت کے متعلقہ محکمے کو اور جملہ اراکین کو فراہم کیے جاتے ہیں۔

۱۰ مئی ۲۰۱۲ء کے جلسوں کا موضوع "ملک کی تعمیر و ترقی میں قومی زبان کی اہمیت" تھا، اردو کے ایک قومی ادارے کی سابق چیئرمین معروف شاعرہ اور ادیبہ اجلاس کراچی کی کلیدی مقرر تھیں۔

موصوفہ نے بات یہاں سے شروع کی "اس پر دو رائے نہیں ہو سکتی کہ اردو آئینی اعتبار سے ہماری قومی زبان ہے لیکن مسئلہ اس کے نفاذ کا ہے اس امر سے ہم سب واقف ہیں کہ ہماری قومی زبان اردو سر زمین پاکستان کے کسی بھی خطے کے لوگوں کی مادری زبان نہیں ہے۔ تاہم یہ ایک ایسی زبان ہے جو پاکستان کے طول و عرض میں سمجھی جاتی ہے اور کہیں کم اور کہیں زیادہ بولی، لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ سندھ میں مادری زبان اردو بولنے والے شہری کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ سندھ ایک بڑا صوبہ ہے، یہاں سندھی لکھی پڑھی اور بولی جاتی ہے۔ پاکستان کی علاقائی زبانوں میں یہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ زبان ہے آزادی سے قبل نسخ رسم الخط میں سندھی زبان میں مسلمانوں کے متعدد اخبارات نکلتے تھے۔ سندھ کے مسلمانوں نے تحریک پاکستان کی جدوجہد سندھی اخبارات، کتب اور پمفلٹوں کے ذریعے کی تھی۔ پشتو افغانستان کی قومی زبان رہی ہے جبکہ دوسری قومی زبان دری یا فارسی ہے۔ صوبہ سرحد اور افغانستان میں، مشترکہ زبان ہونے کی وجہ سے پشتو ترقی یافتہ زبان تھی لیکن صوبہ سرحد میں سرکاری زبان اور ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے اردو زبان قابل قبول رہی۔ پاکستان کے صوبہ پنجاب میں اردو برطانوی دور کے آغاز ہی سے بہت مقبول تھی۔ برطانوی دور میں اسے پنجاب کے اسکولوں میں باقاعدگی سے رائج کیا گیا۔ اردو تمام پڑھے لکھے لوگوں کی زبان کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ خواہ وہ ہندو ہوں، سکھ ہوں یا مسلمان، یہی وجہ ہے کہ پنجاب میں اردو کے نفاذ میں کبھی کوئی رکاوٹ نہیں رہی (اردو کے دو اخبار ملاپ اور پرتاب ہندوؤں کے تھے)...... سندھ میں گو سرکاری دفاتر کی زبان سندھی تھی لیکن محکمہ پولیس چونکہ مرکزی شعبہ تھا اس لیے کراچی کے تھانوں میں رپورٹ اسی طرح لکھی جاتی رہی جس طرح اتر پردیش کے تھانوں میں آج تک لکھی جا رہی ہے مثلاً عقب سے نقب لگا کر چور فرار ہو گیا

آپ نے مزید کہا کہ "اردو کا نفاذ محض حکومتوں کی کوتاہی نہیں بلکہ اسے عوامی رد عمل کے تناظر میں بھی سمجھنا چاہیے...... جس طرح اردو تحریک پاکستان کا ایک اہم حصہ تھی، اسی طرح بنگالی زبان سقوط بنگال کا اہم حصہ بلکہ اس کی بنیاد بن گئی۔ پاکستان کی واحد قومی زبان اردو ہوگی کے اعلان نے بنگالیوں میں خفگی کی بنیاد رکھی۔ سندھ کے سندھی بولنے والے عوام کی یہ پر جوش خواہش رہی کہ سندھی زبان کو سندھ میں سرکاری اور ذریعہ تعلیم کی زبان بنایا جائے ۰۰۰۰ کتنا دلچسپ تضاد ہے کہ سندھ اور بنگال نے قیام پاکستان میں کلیدی کردار ادا کیا تھا اور یہی دو پاکستانی علاقے ایسے رہے ہیں جہاں صرف اردو کو بہ حیثیت سرکاری زبان نافذ کرنے کی کوششوں کی شدید مخالفت کی گئی۔"

آخر میں موصوفہ نے کہا "آیئے اس تلخ حقیقت کو دوا کے کڑوے گھونٹ کی طرح پی لیں کہ نہ اردو، نہ سندھی اور نہ پاکستان کی کسی دوسری زبان میں درسی کتب موجود ہیں جن کے بل بوتے پر ہم اعلی تعلیم کا ذریعہ انگریزی کو نہ بنانے پر مصر ہوں، کیا ان زبانوں میں ایم بی بی ایس جو میڈیکل کی ابتدائی ڈگری ہے اس کے لیے کتابیں موجود ہیں؟ قومی زبان کے اعلی تعلیمی اداروں میں اردو کے نفاذ کے مطالبے پر وہ محاورہ یاد آتا ہے سوت نہ کپاس جلاہے سے لٹھم لٹھا۔ میری ناقص رائے میں اگر ہمارا مقصود قوم کی ترقی ہے تو ہمیں فی الوقت انگریزی سے قطعی غرض نہیں کرنا چاہیے لیکن اس کے ساتھ ہمیں اپنی دیگر قومی زبانوں کی ترقی اور ترویج کے وسیع پیمانے پر تراجم کا پورے جوش و خروش سے اہتمام کرنا چاہیے۔ پاکستان کو بھی بغداد کے بیت الحکمت کی طرح ایک عظیم دارلترجے کی ضرورت ہے۔"

دوران خطاب موصوفہ نے سوال کیا کہ "کیا سندھی پاکستانی قوم کا جزو لاینفک نہیں؟ اس صورت میں سندھیوں سے مکمل مشاورت

اور مستعد شرکت کے بغیر ہم قومی زبان اور اس کے نفاذ کا کیوں کر فیصلہ کر سکتے ہیں نیز ایک سے زیادہ قومی زبانیں بنانے سے قوم مضبوط ہو گی لیکن کون سی زبان قومی زبان ہونا چاہیے اس کا تعین ہم اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک سندھی ہمارے ساتھ نہ ہوں۔ ان کی مشاورت کے بغیر ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ بہ صورت دیگر خود کو ان کے مقابلے میں کھڑا کرنا ہو گا اور اس صورت میں ہم کبھی بھی اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے (۱۱)

کوئی بھی ذی شعور پاکستانی سندھی زبان کی اہمیت اور اس کو سندھ میں سرکاری اور ذریعہ تعلیم بنانے سے انکار نہیں کر سکتا مگر جب سندھی کو قومی زبان بنانے کا سوال سامنے آتا ہے تو پنجابی کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے جبکہ پنجابی بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد سندھی بولنے والوں سے دگنی ہے نیز پنجابیوں کا یہ دعوی ہے کہ پنجابی اردو کی ماں ہے۔ امیر خسرو سے قبل خواجہ مسعود سعد سلمان اور بابا فرید شکر گنج سے اس کی ابتدا ہوئی۔ پنجاب سے اکثر پنجابی زبان کو ملک کی قومی زبان بنانے کی صدا بلند ہوتی ہے۔ ۲۷ اپریل ۱۹۸۷ء کا اجتماع اور ۲۰۰۴ء کی عالمی پنجابی کانفرنس اس کی واضح مثالیں ہیں۔ پھر خیبر پختون خواہ کیسے خاموش رہ سکتا ہے۔ پشتو افغانستان کی ایک قومی زبان ہے اور سابقہ صوبہ سرحد اور فاٹا کے بہت سے علاقوں کی مادری زبان نیز اردو اور پشتو میں لاتعداد الفاظ اپنی اصلی شکل یا بدلی شکل میں موجود ہیں۔ جب چند یا آٹھ زبانوں کو قومی زبان کا درجہ دینے کی بات ہو گی تو گجری یا گوجری کے دعوے کو نظر انداز کرنا ممکن نہ ہو گا۔

ہمدرد شوریٰ کے باقی تین مرکزوں میں زبان کا موضوع زیر بحث رہا۔ لاہور میں تو اردو کی ترویج بڑھانے کی متعدد سفارشات پیش کی گئیں، آخر میں کہا گیا "کسی بھی قوم کا تشخص اس کی قومی زبان ہوتی ہے، جب زبان نیست و نابود ہو جائے تو تمدن اور تہذیبی وجاہت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اگر ہم نے اپنی شناخت کھو دی جو اردو کے دم سے قائم ہے تو ایک قوم نہیں بلکہ مغلوب و معتوب ریوڑ کی شکل میں زندہ رہیں گے۔ (۱۲)

شوریٰ ہمدرد راولپنڈی / اسلام آباد میں کہا گیا کہ "اردو زبان یک جہتی کا نشان ہے، اس کے خلاف سازش کو ناکام بنانا ہم سب کا فرض ہے، اردو کے بغیر پاکستان کی بقا ناممکن ہے۔ جب ہماری ایک قومی زبان نہیں ہو گی تو ہم کس طرح متحد اور ایک رہ سکیں گے۔ اردو کو اردو نہیں قومی زبان کہا جائے "(۱۳)

شوریٰ ہمدرد پشاور میں زبان کے موضوع پر بحث کا لب لباب یہ رہا، ملک میں اٹھ قومی زبانوں کا چرچا ہو رہا ہے۔ یہ ملک و قوم کو تقسیم کرنے کے مترادف ہے۔ ایک قومی زبان کے لحاظ سے ہم آہنگی اور یک جہتی کا تصور غالب آئے گا۔ اردو کو قومی زبان تسلیم کرانے کے لیے ہمیں اپنے معاشرتی رویوں کو بدلنا ہو گا۔ نفاذ اردو کے لیے پولیٹکل ول (Will) اور مشترکہ جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اردو ہمارے جسم کا حصہ ہے۔ مگر علم کے حصول کے لیے ہمیں انگریزی کی اہمیت کو تسلیم کرنا ہو گا۔ (۱۴)

تقریباً ہر اجلاس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ انگریزی بین الاقوامی سیاست، اقوام متحدہ اور اس کے ذیلی اداروں سے رابطوں، بین الاقوامی مالیات، تجارت، بنکوں، سائنس، ٹیکنالوجی اور ربط و ضبط کی زبان ہے اس لیے اس کی اہمیت، افادیت اور ضرورت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ (میرے خیال میں اس سے کسی کو بھی انکار نہیں)

میں نے شوریٰ کے چاروں جلسوں کی کارروائی کی تفصیل نہیں لکھی۔ کاش ہمدرد کا **سیکریٹ** ان کی تفصیل کو کتابچے کی شکل میں

شائع کر دے تا کہ بحث و مباحثے کی پوری تصویر واضح ہو جائے اور عوام کو مسئلے کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

نفس مضمون پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے، میں صرف ایک نکتے پر توجہ دلانا چاہتا ہوں اگر معترضین کے اس اعتراض کو درست تسلیم کر لیا جائے کہ اردو اپنے موجودہ علمی، ادبی اور اسلامی ذخیروں، ترجموں دارالترجمہ،، جامعہ عثمانیہ اور خود جامعہ عثمانیہ ڈاکٹر حمید اللہ کے قیام، انجینئرنگ، میڈیکل کی اردو میں تعلیم پانے والے سینکڑوں طلبا جیسے ڈاکٹر ذکی حسن (میڈیکل) ڈاکٹر رضی الدین صدیقی (سائنس)، مقتدرہ قومی زبان اور وفاقی جامعہ برائے سائنس و ٹیکنالوجی کے قیام، بائیس جلدوں میں اردو لغت کی اشاعت کے باوجود اعلیٰ تعلیم کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی تو شنا، بلتی یا دیگر زبانوں کو اعلیٰ تعلیم کا اہل ہونے میں کتنی صدیاں اور سرمایہ درکار ہو گا؟ اس کا صاف مقصد یہ ہے کہ اس طویل عرصے میں انگریزی کی موجودہ صورت کو بحال رکھا جائے اور غالباً یہی معترضین کی دلی آرزو ہے۔

حوالہ جات


(۱) کلیم سہرامی، پروفیسر، مشرقی پاکستان میں اردو، پاکستان میں اردو یونیورسٹی بک ایجنسی، خیبر بازار پشاور ۱۹۶۵ء ص ۷۲۔

(۲) شیروانی، امان اللہ خان آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کے سو سال، سلطان جہاں منزل، علی گڑھ ۱۹۹۴ء صفحات ۵۵، ۶۷، ۸۶، ۱۹۳۷ء کے اڑتالیسویں اجلاس بمقام علی گڑھ میں مختلف شعبے بنائے گئے، ترویج و ترقی اردو کے شعبے کا صدر مولوی عبدالحق کو بنایا۔ اس اجلاس میں سید سیلمان ندوی نے تجویز پیش کی کہ اردو کا نام بدل کر "ہندوستانی" رکھ دیا جائے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی نے تائید کی لیکن یہ تجویز مسترد کر دی گئی۔ ص ۱۳۴

(۳) حامد میر کالم "شیخ مجیب کی نامکمل یاداشتیں"، روزنامہ جنگ کراچی ۳۰ جولائی ۲۰۱۲ء

(۴) Student Role in Nation Building قائداعظم کی تقریر بہ زبان انگریزی، تقسیم اسناد ڈھاکہ یونیورسٹی، ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء ریکارڈ، ریڈیو پاکستان ڈھاکہ، ترجمہ راقم نے کیا۔

(۵) سہ ماہی اردو شمارہ، ۱ تا ۴، ۲۰۰۹ء ص ۱۳۰

(۶) آئین پاکستان ۱۹۷۳ء (اردو) ص ۱۶۵

(۷) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "ادب اور روشن خیالی" سبط حسن، نوری نورانی، کراچی

(۸) سید مبین اختر، ڈاکٹر، پاکستان میں نفاذ اردو، کراچی ص ۷

(۹) محمد احمد سبزواری، روداد شوری ہمدرد، اجلاس کراچی ص ۹

(۱۰) افتتاحی مقالہ، شوری ہمدرد راولپنڈی / اسلام آباد، ۸ مئی ۲۰۱۲ء

(۱۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو روداد شوری ہمدرد کراچی اجلاس ۱۰ مئی ۲۰۱۲ء

(۱۲) شوری ہمدرد لاہور کا اجلاس، خبر نامہ ہمدرد، جون ۲۰۱۲ء ص ۲۴

(۱۳) شوری ہمدرد راولپنڈی / اسلام آباد کا اجلاس، خبر نامہ ہمدر، دجون ۲۰۱۲ء ص ۲۸

(۱۴) شوری ہمدرد پشاور کا اجلاس، خبر نامہ ہمدرد، جولائی ۲۰۱۲ء ص ۱۴


نوٹ:

قائد اعظم نے ڈھاکہ میں زبان کے مسئلے پر تقریر کرتے ہوئے انڈین یونین کا بھی حوالہ دیا تھا۔ دکن ٹائمز کے مطابق ۱۸ فروری ۱۹۴۹ء کو وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے اعلان کیا کہ ملک کی قومی زبان "ہندوستانی" ہو گی جو دیوناگری اور فارسی رسم الخط میں لکھی جائے گی۔

اسی اخبار کے مطابق تین مہینے بعد ۱۹ مئی کو اعلان کیا کہ جامعہ عثمانیہ میں ذریعہ تعلیم 'ہندی' ہو گا جس کے لیے فارسی اور ناگری رسم الخطوط استعمال کیے جائیں گے۔ جامعہ عثمانیہ میں ۱۹۲۳ء سے تعلیم کا آغاز ہوا اور چند سالوں میں یہاں معاشیات سماجیات، فلسفہ، منطق، ریاضی، کیمیا، طبعیات، نباتات، حیوانیات، قانون، میڈیکل، انجینئرنگ کی تعلیم اردو میں دی جانے لگی۔ یہ سلسلہ ۱۹۴۹ء تک جاری رہا اس کے بعد اردو صرف شعبہ اردو تک محدود ہو گئی۔

# اردو کا نفاذ اور معاشرہ

حافظ امیر حمزہ سانگلوی

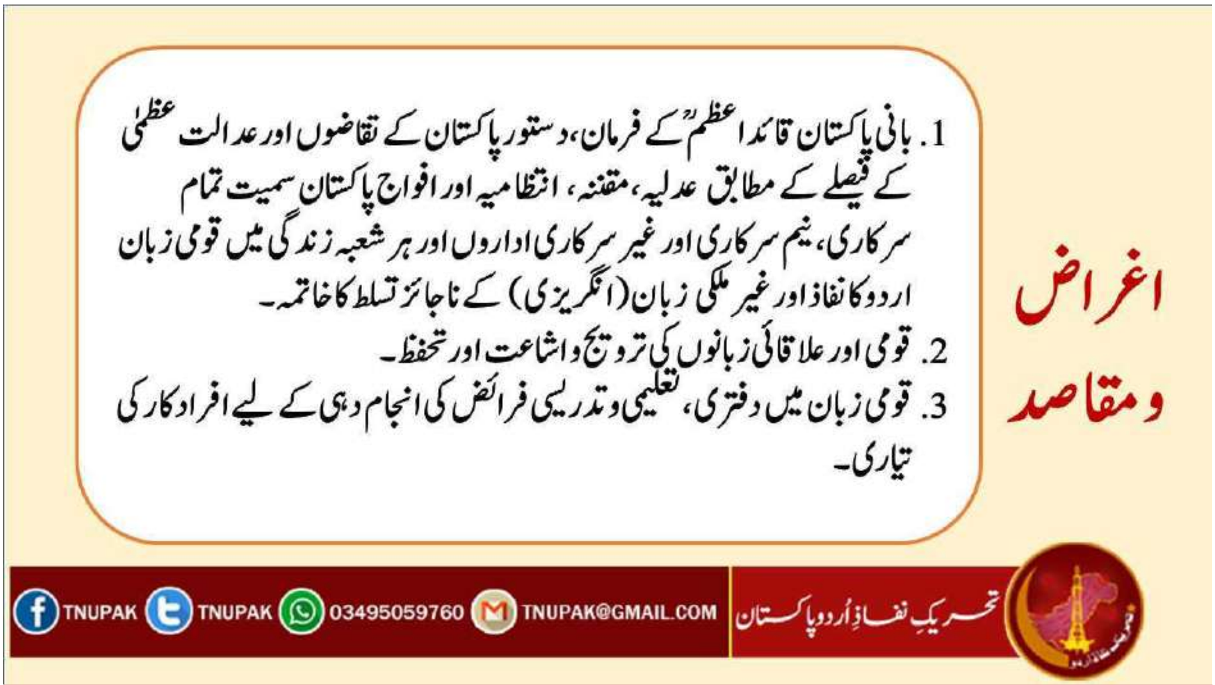
کوئی بھی قوم وملک اس وقت تک حقیقی معنوں میں کامیاب وترقی نہیں کر سکتے جب تک وہ اپنی قومی زبان کو زندگی کے ہر شعبہ میں لازم وملزوم نہیں کر لیتے۔ ہر قوم کے رہن سہن، مزاج اور تہذیب اپنی مادری زبان سے اچھی طرح جڑے ہوتے ہیں کہ جس کا ہر ایک لفظ زبان سے اچھی طرح جھلکتا ہے۔ اس لیے اپنی مادری قومی زبان کو چھوڑ کر اوروں کی زبان کا سہارا لینا اور ان کی تہذیب کو اپنانے کی کوشش کرنا اپنی سوچ اور افکار کو تبدیل کرنا ہے۔

بد قسمتی سے ہمارے وطن عزیز "اسلامی جمہوریہ پاکستان" میں روز اوّل سے ہی غیروں کی زبان خصوصاً انگریزی کا سہارا لیا جارہا ہے، اِسے غیر قانونی طور پر وطن عزیز میں نافذ کیا ہوا ہے اور پھر اسے اپنی ترقی وکامیابی کا راستہ بھی سمجھا ہوا ہے، جو کہ حقیقت میں بہت بڑی غلط فہمی ہے حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دنیا میں بولی جانے والی مختلف دوسری زبانوں کو بطور ثانوی زبان بولنا چاہیے نہ کہ مستقل اور اس سے کسی کو کچھ اختلاف اور انکار بھی نہیں ہے جبکہ اپنی زبان کو اوّلین حیثیت دینی چاہیے کیونکہ اسی میں ہمارے وطن عزیز "پاکستان" کی شان وشوکت ہے، اسی میں کامیابی کا راز پنہاں ہے اور اسی کو اختیار کر کے وطن عزیز کے باصلاحیت افراد کے لیے تحقیق کے دروازے کھلتے ہیں۔

ہم نے انگریز سے آزادی تو حاصل کر لی مگر انگریزی زبان کی غلامی سے ہم آج بھی نہیں نکلے۔ قائد اعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ کا فرمان واضح طور موجود ہے کہ ملک "پاکستان" کی سرکاری زبان اردو ہو گی۔ ہم پاکستانی باشندے ہیں لیکن اپنی قومی زبان اردو سے زیادہ انگریزی زبان کو ترجیح دے کر توہین قومی زبان کے مرتکب ہو رہے ہیں حالانکہ ہماری قومی زبان ایک دوسرے سے رابطہ اور مافی الضمیر بیان کرنے کا ایک بہت بڑا اہم ذریعہ ہے۔ اس لیے جب ملک پاکستان میں ہر سرکاری اور پرائیویٹ اداروں میں قومی زبان کو اختیار کیا جائے گا تو سب اداروں اور قوم کی ترقی دن بدن عروج پر جائے گی کیونکہ جو بھی کسی ادارے نے شرائط اور قوانین وغیرہ بنائے ہوتے ہیں وہ سمجھانے والا اچھے طریقے سے اپنا مافی الضمیر بیان کر کے مخاطب کو سمجھا دیتا ہے اور مخاطب بھی بخوبی سمجھ جاتا ہے۔

میں نے معاشرے میں بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ انہیں راستے میں جاتے ہوئے کسی جگہ سے کوئی انگریزی کا ورق ملا اور اس نے انگریزی جانتے ہوئے بھی سرسری سا اس کو دیکھا، بے معنی سمجھتے ہوئے پھینک دیا۔ ایسے ہی کئی لوگوں کو دیکھا کہ انہیں کہیں راستے میں یا کسی جگہ سے کوئی ورق ملا اور اس پر قومی زبان اردو میں کچھ لکھا ہوا ہے تو اسے اس نے دل لگی سے پڑھنا شروع کر دیا اور پڑھ کر اس ورق کو پھینکا نہیں بلکہ مفید سمجھتے ہوئے اچھے طریقے سے لپیٹ کر اپنی جیب میں ڈال لیا، ان دو لوگوں کے مختلف رویوں کو دیکھ کر نفاذ اردو کی ضرورت اور اہمیت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ ہماری پاکستانی قوم کی علم تک آسانی سے رسائی بھی عملی طور پر نفاذ اردو سے ہی ہے۔ اپنی زبان رائج ہو تو معاشرے میں بسنے والے ہر خاص وعام تک پیغامات پہنچانے میں آسانی ہو جاتی ہے لیکن جب اس کے برعکس ہو تو پڑھنے میں بھی دشواری اور سمجھنے میں بھی دشواری رہتی ہے، اسی طرح اکثر کسی دفتر میں جانے یا بنک وغیرہ میں جانا ہوتا ہے تو وہاں جو کوئی پمفلٹ ہوتا ہے یا بنک میں سلپ پُر کرنی ہوتی ہے تو اکثر ایسے افراد آتے ہیں جو

سلپ پر انگلش درج کی ہوئی دیکھ کر خود پڑھ بھی نہیں پاتے اور اسے پُر بھی نہیں کر پاتے وغیرہ، بہر حال اس بات کا بھی بالکل انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انگریزی زبان کی بھی معاشرے میں بہت اہمیت وضرورت ہے اور وقت کی پکار بھی لیکن اس کی آڑ میں اپنی قومی زبان ”اردو“ کو پس پشت ڈال کر بے رُخی اور یتیم نہ کیا جائے۔ آج معاشرے میں یہی اہم ضرورت ہے کہ اپنے حلقہ واحباب میں۔ بھرپور طریقے سے اپنے اپنے انداز میں نفاذ اردو کے لیے بھرپور کوشش کی جائے اور بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ کے فرمان کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ بشکریہ۔۔روزنامہ جسارت




نفاذ قومی زبان فرض بھی ہے اور قرض بھی۔ جب تک قومی زبان رائج نہیں ہوتی ہم ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتے۔ اس کام کا آغاز اردو ذریعہ تعلیم (اردو میڈیم) سے کرنا ہو گا، سرکاری ملازمتوں کے امتحانات قومی زبان میں لیے جائیں، عدالتوں سمیت ریاست کا ہر ادارہ قومی زبان اپنائے۔ یہ صرف ہماری خواہش نہیں بلکہ قائد اعظمؒ کا حکم، دستور پاکستان کا لازمی تقاضا اور سپریم کورٹ کا دوٹوک فیصلہ ہے۔ جس کی پابندی ہر فرد اور ہر ادارے پر لازم ہے۔ جو اسے تسلیم نہیں کرتا وہ قومی اور قانونی مجرم ہے۔ نفاذِ قومی زبان کے لیے ہمارا ساتھ دیں۔ رابطے کے لیے

Facebook/TNUPAK, Whats app: 03495059760

# نفاذ اردو، عدالت عظمیٰ کا حکم اور پاکستان کی بیوروکریسی

ڈاکٹر بادشاہ منیر

اردو پاکستان کی قومی زبان ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ پاکستان کے طول عرض میں یہی زبان رابطے کے لیے استعمال میں لائی جاتی ہے۔ اس وقت پاکستان کے تمام سکولوں کا ابتدائی نصاب اردو زبان میں تحریر شدہ ہے چونکہ ملک کی تقریباً ساری آبادی اسی زبان پر انحصار کرتی ہے، اس لیے اس زبان کو پاکستان میں رابطے کے ساتھ ساتھ دفتری اور امتحانی زبان کا درجہ بھی حاصل ہونا چاہیے اور یہی بات پاکستان کے آئین میں درج ہے کہ اردو پاکستان کی سرکاری اور دفتری زبان ہو گی اس سلسلے میں سپریم کورٹ اف پاکستان کا باقاعدہ فیصلہ موجود ہے جس کی رو سے اردو کو بطور دفتری زبان رائج کرنا حکومت کی آئینی ذمے داری ہے لیکن گزشتہ سات دہائیوں سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا اگر ایسا ہو جاتا تو لوگوں کی زندگی میں بہت سہولت ہوتی اور علوم وفنون کی کتابیں سرکاری مراسلت اور عدالتوں کے فیصلے اردو میں لکھے جاتے، جس سے عام پاکستانی بھی آئین پاکستان حکومت کے فیصلوں، پارلیمنٹ کی قانون سازی اور عدالتوں کے فیصلوں اور احکامات سے مستفید ہو سکتا تھا۔

اردو کو معاشرتی طور پر تو پاکستان میں قومی زبان ہونے کا شرف حاصل ہے لیکن سرکاری سطح پر اس کے نافذ نہ ہونے کی کئی وجوہات ہیں، پہلی وجہ ہے کہ پاکستان کی بیوروکریسی یہ بابو جو یہ پاکستان کے انتظامی و دیگر معاملات سنبھالتے ہیں، اس تسلسل کا حصہ ہیں جو انگریز چھوڑ کر گئے تھے، لارڈ میکالے جو برصغیر و پاک و ہند میں ان بابوؤں کا امام تھا۔ اس نے کہا تھا کہ انگریزی نظام تعلیم سے ہمیں ایسا طبقہ وجود میں لانا ہے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر ذوق طرز فکر اخلاق اور فہم و فراست کے نقطہ نظر سے انگریز ہو، وہ اس میں کامیاب ہوئے اور ایسے کامیاب ہوئے کہ ان سے عملی آزادی کے 77 برس بعد بھی ہم نے اسی تسلسل کو جاری رکھا ہوا ہے۔

انگریزی زبان سیکھنا ایک اچھا عمل ہے جس کے ذریعے ہم علوم اور دنیا سے رابطے میں آسانی محسوس کرتے ہیں لیکن ہم اگر اپنی اصل اور زمینی تعلق کو یکسر نظر انداز کر دیں اور اب بھی انگریزوں کی اسی طرح پیروی کریں تو اس ملک میں ترقی کیسے آئے گی، اس لیے کہ اس وقت بھی اس ملک کے پچانوے فیصد لوگ انگریزی سے نا آشنا ہیں، اس کالم کے لکھنے کا خیال اس وقت آیا جب سپریم کورٹ کے حالیہ تمام معزز جج صاحبان نے ٹی وی پر آ کر مقدمے کی سماعت کی تو اس وقت ہمیں احساس ہوا کہ اردو زبان کیوں ضروری ہے۔

اس پوری نشریات کو دوبارہ دیکھیں اور آپ فیصلہ کریں کہ جب اتنی اعلیٰ ترین نشست میں ملک کے سب سے قابل ترین لوگ انگریزی کا یہ حال کرتے ہیں تو باقی جگہوں پر کیا حال ہوتا ہو گا۔ اس ملک میں انگریزی صرف ایک فیشن ہے اور ہم اس فیشن کی کاپی کرتے ہیں۔ حقیقی معنوں میں انگریزی نہ تو ہماری زبان ہے اور نہ ہی اس پر ہماری دسترس کامل ہے۔ سی ایس ایس کا نتیجہ آیا ہے جس میں تیرہ ہزار میں سے صرف تین سو اور کچھ لوگ پاس ہوئے ہیں جو فیل ہوئے ہیں۔

وہ سب انگریزی کی وجہ سے فیل ہوئے ہیں جو پاس ہوئے ہیں۔ یہ لوگ جب کل ملازمت میں آئیں گے تو کسی کے ساتھ انگریزی میں بات نہیں کریں گے، اس لیے کہ ان کے ماتحتوں کو انگریزی نہیں آتی، عوام کو بھی انگریزی نہیں آتی اور چونکہ یہ لوگ صرف انگریزی کی بنیاد پر ایک بوسیدہ اور قدیم

مقابلے کا امتحان پاس کر کے آئے ہوتے ہیں، وہ اسی غلام ذہنیت کے ساتھ تیس سے چالیس برس اس سسٹم کا خون چوستے رہیں گے، اس لیے انگریزی کی بنیاد پر نہ تو ملکی معاملات چلائے جاسکتے ہیں۔ نہ منصوبہ بندی کی جاسکتی ہے، ہر کام کے لیے دنیا میں اپنے علوم ہیں۔ اس لیے یہ بابو صرف اس مقصد کو پورا کرتے ہیں جو انگریز چاہتا تھا کہ یہ دفتروں میں جو کچھ ہوتا ہے۔ وہ ان کو انگریزی میں بتاسکیں اور کاغذوں پر لکھ سکیں چونکہ باقی سارے کام وہ خود کرتے تھے۔ اس لیے ان کے دور میں ریلوے ترقی پر تھی۔ انتظامی معاملات بہتر طریقے سے چلتے تھے۔ زمینوں کے ریکارڈ اور عدالتی معاملات مثالی صورت میں تھے پھر پاکستان آزاد ہو گیا انگریز چلا گیا مگر ہم نے یہ نہیں سوچا کہ اب انگریزی کی ضرورت نہیں ہے۔

اس لیے کہ اب کوئی انگریز بچا نہیں اب جو لوگ بیٹھے ہیں۔ وہ انگریزی سے اردو کو ہزار درجے بہتر طور پر سمجھتے ہیں اور اس میں اپنا مافی الضمیر نہایت آسانی کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں۔ اب انگریزی کی نہیں متعلقہ علوم اور فنی مہارت کی ضرورت ہے جس کی بنا پر منصوبہ بندی ہو سکے عملی طور پر اس کام کو سرانجام دیا جاسکے اور یہ کام صرف اس زبان میں ممکن ہے جو آپ کے تہذیبی لاشعور میں موجود ہو اور معاشرے میں وسیع پیمانے پر بولی جاتی ہو ہم نے پاکستان میں نظام دینے کے بجائے لارڈ میکالے کے بابو بنانے کے ٹوٹکے کو ابھی تک دل سے لگایا ہوا ہے اور ملک میں طبقاتی نظام کے ایک نہ ختم ہونے والے سلسلے کو دوام دیا ہے۔

ایک بہت چھوٹا سا طبقہ جس کے بچوں کو پیدائش کے بعد مکمل انگریز بننے کی تربیت دی جاتی ہے اور پھر ذمے داریاں ان کے حوالے کی جاتی ہیں اور باقی ستانوے فیصد لوگوں کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس ملک میں اس وقت درجنوں تعلیمی نظام عملی طور پر رائج ہیں اور ان سب نظاموں ماسوائے مدرسوں کے نظام کے کا ایک ہی مقصد ہے۔ انگریزی رٹاؤ زبان صرف ایک ذریعہ ہے جس کے ذریعے سے علوم تک رسائی ہوتی ہے۔ ہم نے علوم کی کبھی پرواہ ہی نہیں کی، 1 سارا زور انگریزی پر صرف کر دیا، جس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے جو انگریزی یہاں کے دیسی بولتے ہیں۔

وہ کسی انگریز کو سمجھ نہیں آتی، آپ پاکستان کے سارے بیوروکریسی کو جمع کریں ان کو انگریزی میں ایک مضمون لکھنے کو کہیں، جس میں وہ ایک دن کا احوال لکھیں جو انہوں نے گزارا ہو تو وہ نہیں لکھ سکتے اس لیے کہ انہیں فائلوں پر چند جملے لکھنے کے سوا کچھ نہیں آتا اس لیے ضروری ہے کہ اس ملک میں تعلیم اردو میں ہو اور دفتری اور عدالتی زبان اردو میں تاکہ سب اسے سمجھ سکیں، دنیا کے تمام ملکوں میں ایسا ہی ہے، انگریزی سیکھنا ایک اضافی عمل ہے۔

جیسا دوسرے ملکوں میں ہوتا ہے اگر کسی نے انگریزی سیکھنی ہے تو وہ سیکھ لے مگر یہ جو زبردستی انگریزی سکھانے کا عمل ہے، اس کا انجام آپ کے سامنے ہے، سولہ برس کی تعلیم کے بعد نہ کوئی ایک جملہ انگریزی میں لکھ سکتا ہے اور نہ بول سکتا ہے، اردو زبان دنیا کی تیسری بڑی زبان ہے۔ اس میں تمام علوم کی کتابیں موجود ہیں اور دفتری زبان کی اردو کی مکمل کتابیں موجود ہیں، جب صوبہ سرحد میں ایم ایم اے کی حکومت آئی تھی تو انہوں نے ہماری مدد سے اردو کو دفتری زبان کے طور پر رائج کر دیا تھا جس کے لیے ہم نے ان کو معاونت فراہم کی تھی مگر جونہی وہ حکومت ختم ہو گئی، اس سلسلے کو لپیٹ دیا گیا اگر اس کو چلنے دیا گیا ہوتا تو آج جو لوگوں کو مشکلات ہیں، وہ نہ ہوتیں، یورپ نے بھی اس وقت ترقی کی جب وہاں کے لوگوں نے لاطینی اور یونانی زبانوں سے پیچھا چھڑا کر اپنی مقامی زبانوں میں تعلیم دینا شروع کی، یوں فرانس،

اٹلی، جرمنی، برطانیہ، فن لینڈ، ڈنمارک، بلجیم، ہالینڈ وغیرہ نے ترقی کی، ان سب ملکوں کی اپنی زبانیں ہیں جب کہ جاپان روس، چین اور اسرائیل نے بھی اپنی زبان میں ترقی کی منازل طے کی ہیں۔

ان ممالک جنہوں نے اپنی زبان کو چھوڑ کر کسی فاتح ملک کی زبان اپنائی ہے۔ وہ آج بھی ذہنی طور پر غلام ہیں اور وہاں ایک استحصالی طبقہ ان کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ کمال دیکھیں کہ انگریزوں نے اردو کو رائج کرنے کے لیے فورٹ ولیم کالج، دہلی کالج، اور ینٹل کالج لاہور اور کئی دیگر ادارے بنائے، انگریزوں نے اپنے مال پٹوار اور پولیس کے معاملات کے لیے اردو کا انتخاب کیا جو آج تک رائج ہے مگر ہم بضد ہیں کہ نہیں سب کچھ انگریزی میں ہو گا، اس لیے کہ صاحب کو انگریزی پسند ہے اگر یہ ملک صاحب کے لیے بنا ہے تو پھر ٹھیک ہے ورنہ اس کے دفتری اور عدالتی نظام کی زبان اردو بنا دیں اور اس کے تمام مقابلے کے امتحانات اردو میں کرا دیں تا کہ یہ ملک بھی دیگر ممالک کی طرح ترقی کر سکے اور مٹھی بھر ذہنی غلاموں کے چنگل سے آزادی حاصل کر سکے، اردو کا نفاذ قائداعظم کا فرمان بھی ہے، آئین پاکستان میں بھی لکھا ہوا ہے اور عدالت عظمیٰ کا حکم بھی ہے۔ اب اس کا نفاذ کیوں نہیں ہو رہا؟ کیا اس کے لیے اب ہمیں کسی عالمی عدالت کے حکم کا انتظار ہے؟

8 ستمبر 2015 کو عدالت عظمیٰ نے آئین پاکستان کے آرٹیکل 251 کے تحت جو حکم دیا تھا، کیا اٹھ برس گزرنے کے بعد بھی سپریم کورٹ اپنے اس حکم پر عمل درآمد نہیں کر سکے گی اگر ایسا ہو تا ہے تو یہ ایک لمحہ فکریہ ہو گا کہ ملک کی سب سے بڑی اور معزز عدالت اپنے دیے ہوئے فیصلے پر اتنے عرصے میں عمل درآمد نہیں کر سکتی تو اس کے دیگر فیصلوں پر عمل درآمد کیسے ممکن ہو گا۔

